www.alrisala.org

الرسالہ

Al-Risala

June 2012 • No. 427 • Rs. 15

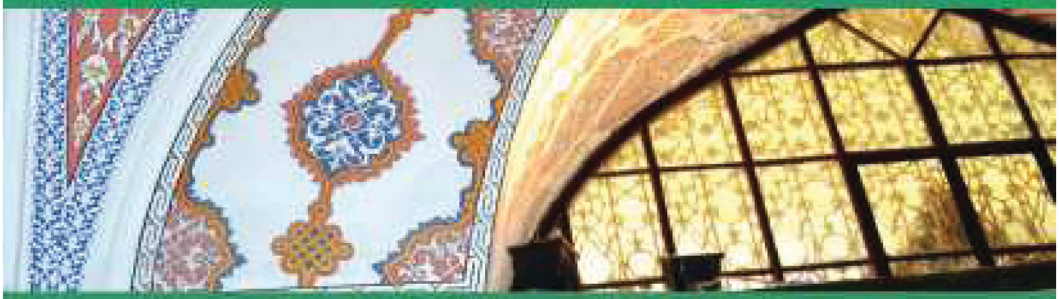

مادی دولت کو صرف وہ لوگ اہم سمجھتے ہیں جو
روحانی دولت کی اہمیت سے بے خبر ہوں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جون 2012

فہرست

انابت الی اللہ	2
اللہ کی محبت	3
کوثر — خیرِ کثیر	4
نماز میں خشوع	5
منصوبۂ خداوندی کی مخالفت	6
وسیلہ کی حقیقت	7
صلاۃ وسلام	10
ایک واقعہ	12
عجیب اور سبق آموز	13
دعوتِ قرآن	14
مسئلہ داخلی ہے، نہ کہ خارجی	18
امتِ مسلمہ کا احیا	21
اصلاح کا صحیح طریقہ	22
مسئلے کا حل	23
اسلامی تحریک کا ہدف	25
انسانی ذمّے داری	26
جذباتی سیاست کا نقصان	34
مسئلہ یا چیلنج	35
ایک سبق آموز واقعہ	36
سوال وجواب	37
خبر نامہ اسلامی مرکز	40

الرسالہ

جاری کردہ 1976

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly

1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110013
Tel. 011-41827083, 46521511,
Fax: 011-45651771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates

Single copy ₹15
One year ₹150
Two years ₹300
Three years ₹450
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110051

انابت الی اللہ

قرآن کی سورہ غافر کی ایک آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''اللہ ہی ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے وہ تمھارے لیے رزق نازل کرتا ہے۔ اور نصیحت صرف وہی شخص حاصل کرتا ہے جو انابت کرنے والا ہو''۔ (40: 13)

قرآن کی اِس آیت میں تین باتیں کہی گئی ہیں — پہلی بات ہے، نشانیوں (آیات) کا ظاہر ہونا۔ دوسری چیز ہے، اِن نشانیوں سے رزقِ خداوندی کا ملنا۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ رزق صرف اُن افراد کو ملتا ہے جن کے اندر انابت کی صفت پائی جائے۔ آیات سے مراد وہ نشانیاں (signs) ہیں جو تخلیق میں ظاہر ہوئی ہیں۔ رزق سے مراد وہ ربانی اسباق (divine lessons) ہیں جو اِن نشانیوں میں چھپے ہوئے ہیں۔ انابت کا لفظ یہ بتا رہا ہے کہ یہ ربانی سبق کن خوش قسمت افراد کو حاصل ہوتا ہے۔

انابت کا لفظی مطلب ہے، بار بار واپس آنا (to return from time to time)۔ اصل یہ ہے کہ دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے آدمی کے ساتھ بار بار وہ واقعہ پیش آتا ہے جس کو ڈسٹریکشن کہا جاتا ہے، یعنی توجہ کا ہٹ جانا۔ یہی چیز رزق ربانی کے حصول میں اصل رکاوٹ ہے۔ اللہ کی تخلیقات میں اور زندگی کے تجربات میں رزقِ ربانی کے آئٹم ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ انسان اگر سوچے تو وہ ہر وقت اِن چیزوں میں نصیحت کا رزق پاتا رہے گا، لیکن حالات کے تحت بار بار آدمی کی توجہ مطلوب نشانے سے ہٹتی رہتی ہے۔ انسان کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اِس ڈسٹریکشن سے بچائے۔ یہی وہ انسان ہے جس کو قرآن میں منیب (42: 13) کہا گیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی خواہشیں اُس کو نشانیوں میں غور وفکر سے ہٹا دیتی ہیں۔ کبھی کوئی مسئلہ اس کی توجہ کو موڑ دیتا ہے۔ کبھی شکایت کی نفسیات اس کے لیے ڈسٹریکشن کا سبب بن جاتی ہے۔ آدمی کو چاہیے کہ وہ محاسبہ کے ذریعے اپنے آپ کو تمام قسم کے ڈسٹریکشن سے بچائے، تاکہ وہ خدائی نشانیوں (divine signs) سے مسلسل اپنے لیے ایمانی رزق حاصل کرتا رہے۔

اللہ کی محبت

قرآن کی سورہ البقرہ میں ارشاد ہوا ہے: والذین آمنوا أشد حبّا لله (2: 165)۔ اِس آیت کے مطابق، اللہ کا مومن بننے کی پہچان یہ ہے کہ آدمی کے اندر اللہ کے لیے حبّ شدید پیدا ہوجائے۔ مذکورہ قرآنی آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان اللہ سے حب شدید کرتے ہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ اہلِ ایمان کے اندر اللہ سے حب شدید ہوتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ محبت، جواب (response) کے طور پر کسی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک انسان اللہ کو اپنے سب سے بڑے محسن اور منعم کی حیثیت سے دریافت کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں ایسا ہوتا ہے کہ اس کے سینے میں اللہ کے لیے محبت کا سمندر موج زن ہوجاتا ہے۔

اِسی کا نام حبّ شدید ہے۔ محبت اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک دریافت (discovery) کا نتیجہ ہے، وہ محض ایک حکم کی رسمی تعمیل نہیں۔

انسان جب اپنے آپ کو احسنِ تقویم (95: 4) کی حیثیت سے دریافت کرتا ہے، جب وہ دریافت کرتا ہے کہ اللہ نے اس کے ساتھ تکریم (17: 70) کا معاملہ کیا ہے، جب وہ دریافت کرتا ہے کہ اللہ نے اس کے لیے زمین اور آسمان کو مسخر کردیا ہے، جب وہ ان بے شمار نعمتوں کو دریافت کرتا ہے جن کو لائف سپورٹ سسٹم کہا جاتا ہے، جب وہ اللہ کے اِس احسان کو دریافت کرتا ہے کہ اُس نے پیغمبر کے ذریعے اس کی ہدایت کا انتظام فرمایا، جب کہ وہ ہدایت سے پوری طرح بے خبر تھا، جب وہ کائناتی پیمانے پر اللہ کی تخلیق اور اس کی ربوبیت کو دریافت کرتا ہے تو اس کے دل میں شکر کا بے پناہ جذبہ امنڈ پڑتا ہے۔ یہی شکرِ الٰہی محبتِ الٰہی، کا منبع ہے۔ اِسی سے انسان کے اندر وہ گہرا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کو قرآن میں حب شدید کہا گیا ہے۔

اصل بات یہ نہیں ہے کہ محبت کرو، اصل بات یہ ہے کہ اللہ کو اتنے بڑے منعم کی حیثیت سے دریافت کرو کہ تمھارے اندر اللہ کے لیے حب شدید پیدا ہوجائے۔

کوثر — خیرِ کثیر

قرآن کی سورہ الکوثر (108) کا ترجمہ یہ ہے: ''ہم نے تم کو کوثر دے دیا۔ پس تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بے شک تمھارا دشمن ہی بے نام ونشان ہے''۔

کوثر مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب ہے — خیر کثیر۔ خیر کثیر سے کیا مراد ہے، اس کی وضاحت قرآن کی دوسری آیت سے ہوتی ہے۔ قرآن کی سورہ البقرہ میں یہ آیت آئی ہے: یؤتي الحکمة من یشاء، ومن یؤت الحکمة فقد أوتی خیرا کثیرا۔ وما یذکر إلّا أولوا الألباب (2: 269) یعنی اللہ جس کو چاہتا ہے، اُس کو حکمت عطا کرتا ہے، اور جس کو حکمت دی گئی، اُس کو خیر کثیر دے دیا گیا۔ اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

قرآن کی اِس آیت میں حکمت سے مراد وہی چیز ہے جس کو قرآن کے دوسرے مقام پر معرفت یا عرفانِ حق (5: 83) کہا گیا ہے۔ معرفت کا تعلق عقلی دریافت سے ہے اور یہ معرفت بلاشبہہ کسی مومن کے لیے سب سے بڑی چیز ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اہلِ مکہ یا اہلِ عرب کے درمیان اگرچہ مذہب کے نام پر مختلف قسم کے مذہبی رسوم (religious rites) موجود تھے، مگر وہ لوگ خدا کی سچی معرفت سے کامل طور پر محروم تھے۔ ایسے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام کو سچی معرفت عطا فرمائی۔ اِس کا ذکر قرآن کی دوسری آیت میں اِن الفاظ میں کیا گیا ہے: ووجدك ضالّا فهدى (93: 7)۔

سورہ الکوثر میں صلوٰۃ اور نحر کے الفاظ علامتی طور پر آئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخالفین کے پروپیگنڈے کو نظر انداز کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ اللہ سے تعلق قائم کرو، تاکہ شکر کا جذبہ پوری طرح برقرار رہے۔ 'نحر' کا مطلب یہ ہے کہ جو دعوتی مشن تم کو دیا گیا ہے، قربانی کی سطح پر تم اس مشن کو جاری رکھو۔ مخالفین کی مخالفت تم کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گی، وہ خود ناکام ونامراد ہو کر رہ جائیں گے۔

نماز میں خشوع

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ — فلاح اُن اہلِ ایمان کے لیے ہے جو خشوع کے ساتھ اپنی نماز ادا کرتے ہیں (23: 1)۔ خشوع کا لفظی مطلب فروتنی ہے، یعنی وہ حالت جو مُحاسب ومُجازی خدا کی یاد سے پیدا ہوتی ہے۔ اِس سلسلے میں قرآن کی دوسری آیت یہ ہے: الذین یظنّون أنهم ملقوا ربهم (2: 46)۔ اِس سے معلوم ہوا کہ لقاءِ رب کے شدید تصور سے انسان کے دل میں جو کیفیت پیدا ہوتی ہے، اُسی کا نام خشوع ہے۔ نماز میں خشوع یہ ہے کہ آدمی شعوری طور پر اتنا زیادہ بیدار ہو کہ جب وہ نماز کے کلمات اپنی زبان سے ادا کرے تو اِن کلمات کا مفہوم اُس کے ذہن کو متحرک کرتا رہے۔ اس کے اعضا نماز کے ظاہری افعال کو ادا کر رہے ہوں اور اس کا ذہن خدا کے سامنے حاضری کو سوچ کر اندیشہ ناک بنا ہوا ہو، حتی کہ یہ کیفیت اتنی زیادہ شدید ہو کہ اس کے بدن پر خوف سے کپکپی طاری ہو جائے۔ اِس کیفیت کو حاصل کرنے کے لیے شدید محنت درکار ہوتی ہے، اِس لیے نماز کے ساتھ صبر کو شامل کیا گیا ہے (2: 45)۔

ایک فارسی شاعر نے کہا — رات کو جب میں نماز کی نیت کر کے کھڑا ہوا تو دل میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ میرا بچہ صبح کو کیا کھائے گا:

شب چو عقدِ نماز بر بندم　　چہ خورد بامداد فرزندم

یہ شعر تمثیل کی زبان میں بتا رہا ہے کہ خشوع کی نماز ادا کرنے کے لیے کیا چیز درکار ہے، وہ یہ کہ آدمی کا ذہن کسی اور سوچ میں مبتلا نہ ہو، اپنی سوچ کے اعتبار سے، وہ پوری طرح لقاءِ رب پر فوکس کیے ہوئے ہو۔ تجربہ بتاتا ہے کہ ذہنی فوکس کو ہٹانے والی سب سے طاقت ور چیز منفی سوچ ہے۔ اجتماعی زندگی میں بار بار منفی تجربات پیش آتے ہیں۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ صبر کی روش اختیار کرتے ہوئے کامل طور پر اپنے آپ کو منفی احساس سے بچائے۔ خشوع کی نماز پڑھنا صرف اُس کے لیے ممکن ہے جو نماز سے پہلے اپنے اندر مثبت سوچ پیدا کر چکا ہو۔ اور ایسا صرف اُس وقت ہو سکتا ہے، جب کہ آدمی اپنے اندر یہ صابرانہ نفسیات پیدا کر لے کہ وہ منفی تجربات کے باوجود اپنے آپ کو مثبت روش پر قائم رکھے۔

منصوبۂ خداوندی کی مخالفت

قدیم مکہ میں جب کہ وہاں کے سردار، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت کر رہے تھے، اُس وقت قرآن کی سورہ الانعام میں یہ آیت اتری: قد نعلم إنه ليحزنك الذي يقولون، فإنهم لا يكذبونك ولكنّ الظالمين بآيات الله يجحدون (6:33) یعنی ہم کو معلوم ہے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، اُس سے تم کو رنج ہوتا ہے۔ یہ لوگ تم کو نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم دراصل اللہ کی نشانیوں کا انکار کر رہے ہیں۔

اِس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتی مشن سادہ طور پر صرف ایک فرد کا معاملہ نہیں ہے، وہ براہِ راست طور پر اللہ کے منصوبے کا معاملہ ہے۔ اللہ کو یہ مطلوب تھا کہ وہ اپنے بندوں کے لیے ہدایت کا انتظام کرے، اِس لیے اُس نے پیغمبر کے ذریعے اُس دعوتی مشن کو برپا کیا ہے۔ ایسی حالت میں، پیغمبر کے دعوتی مشن کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا، اللہ کے منصوبے کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا ہے، اور یہ خدا کی اِس دنیا میں کسی کے لیے ہرگز ممکن نہیں۔

یہ کوئی زمانی معاملہ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی دعوت خالص حق کی بنیاد پر اٹھے تو اپنی نوعیت کے اعتبار سے، اُس کا معاملہ بھی یہی ہوگا۔ بظاہر یہ دعوت کسی فرد کے ذریعہ اٹھے گی، مگر اپنی حقیقت کے اعتبار سے، وہ بلاشبہہ اللہ کا ایک منصوبہ ہوگا۔ دوبارہ ایسا ہوگا کہ جو لوگ اِس دعوتی مشن کی مخالفت کریں، وہ بلاشبہہ ناکام رہیں گے، ان کی مخالفانہ تدبیریں یقینی طور پر بے نتیجہ ہو کر رہ جائیں گی۔

بعد کے دور میں اٹھنے والی دعوتِ حق کی پہچان وہی ہوگی جو دورِ اول میں اِس قسم کی دعوتِ حق کی پہچان تھی، وہ یہ کہ اس کی مخالفت کرنے والے اپنی مخالفت کے حق میں کوئی دلیل نہ پا سکیں گے۔ اُن کی ساری مخالفت بے بنیاد الزام تراشی پر قائم ہوگی، نہ کہ کسی حقیقی دلیل پر۔ دونوں کے درمیان بلا دلیل تکذیب کی یہی مشابہت اِس بات کا ثبوت ہوگی کہ یہ مخالفت، اللہ کے منصوبے کی مخالفت ہے۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے، وہ ایک مجرمانہ فعل ہے، نہ کہ کوئی اسلامی فعل۔

وسیلہ کی حقیقت

وسیلہ کے بارے میں ایک روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں آئی ہے۔ صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول، ثم صلّوا عليّ، فإنه من صلّى عليَّ صلاة، صلّى الله عليه بها عشراً، ثم سَلوا الله لي الوسيلة، فإنّها منزلة في الجنة۔ لاتنبغي إلا لعبد من عباد الله، وأرجوا أن أكون هو، فمن سأل لي الوسيلة، حلّت له الشفاعة (صحيح مسلم، رقم الحديث: 387, 582) یعنی جب تم موذن کو سنو تو تم بھی وہی کہو جو موذن نے کہا ہے، پھر میرے لیے دعا کرو۔ جو میرے لیے ایک دعا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس پر اپنی دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر تم میرے لیے اللہ سے وسیلہ مانگو، کیوں کہ وسیلہ جنت کا ایک درجہ ہے۔ یہ درجہ اللہ کے بندوں میں سے کسی بندے کو ملتا ہے، اور میں امید کرتا ہوں کہ میں وہ بندہ ہوں گا۔ جس نے میرے لیے وسیلہ کی دعا کی، اُس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

1- وسیلہ کا لفظی مطلب قربت (nearness) ہے۔ یہ لفظ قرآن میں اِسی معنی میں آیا ہے۔ ایک جگہ فرشتوں کی نسبت سے، اور دوسری جگہ انسان کی نسبت سے۔ فرشتوں کی نسبت سے، قرآن میں آیا ہے کہ وہ اللہ کے وسیلہ، یعنی قربت کے طالب رہتے ہیں (57: 17)۔ اِسی طرح، قرآن میں انسان کی نسبت سے آیا ہے کہ تم اللہ کے وسیلہ، یعنی قربت کے طالب بنو (5: 35)۔

2- مذکورہ روایت میں وسیلہ کا لفظ اِسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ دعا کرو کہ آپ کو اللہ کا وسیلہ، یعنی اللہ کی قربت حاصل ہو، جو کہ اللہ کی طرف سے کسی انسان کے لیے ایک عظیم رحمت ہے اور جنت میں اس کے درجے کو بڑھانے والی ہے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: اللهم آت محمداً الوسيلة والفضيلة (صحيح البخاري، رقم الحديث: 614) یعنی اے اللہ، محمد کو وسیلہ اور فضیلت دے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس جملے میں 'فضیلۃ' کا لفظ کسی نئے مفہوم کے لیے نہیں ہے۔ وہ وسیلہ کے لفظ

ہی کی مزید وضاحت ہے: والفضيلة تفسيراً للوسيلة (فتح الباري، 2/113)۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ خدایا، تو محمد کو قربت کا درجہ دے جو کہ فضیلت کا ایک درجہ ہے۔

3- عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ وسیلہ سے مراد سفارش (recommendation) ہے، یعنی قیامت میں لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش سے جنت اور مغفرت حاصل ہوگی۔ وسیلہ کا یہ مفہوم ایک خود ساختہ مفہوم ہے، وہ لفظی طور پر کسی بھی روایت میں موجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مغفرت تمام تر اللہ کا ایک عطیہ ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں میں اِس بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔

4- روایت میں 'حلّت له الشفاعة' کے الفاظ آئے ہیں، یعنی اس کے لیے شفاعت واجب ہوگئی۔ یہاں شفاعت سے مراد سفارش نہیں ہے۔ اِس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایسا آدمی اپنے عمل کی بنا پر اِس قابل ہوگیا کہ رسول اللہ اس کو پہچانیں اور قیامت میں اس کو اپنی امت کا ایک فرد شمار کریں۔

5- شفاعت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک شخص جو اپنے عمل کے اعتبار سے جنتی نہ ہو، وہ پیغمبر کی سفارش سے جنتی بن جائے گا۔ اصل یہ ہے کہ قیامت کے دن کسی انسان کے اخروی مستقبل کا فیصلہ تمام تر اللہ کی مرضی سے ہوگا، لیکن اُس کے اعلان کا طریقہ یہ ہوگا کہ انبیاء اور دُعاۃ کو بلند مقام (اعراف) پر کھڑا کیا جائے گا۔ انھوں نے جن لوگوں کے اوپر دعوت وشہادت کا کام کیا ہوگا، وہ اُن کو قیامت کے دن صاف طور پر پہچان لیں گے اور ہر ایک کے لیے اللہ کے فیصلے کا اعلان کریں گے۔

6- وسیلہ (قربت) کوئی پراسرار چیز نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ تعلق باللہ کے دو درجے ہیں— ایک درجۂ اطاعت، اور دوسرا درجۂ قربت۔ مومن کو چاہئے کہ وہ درجۂ قربت میں اللہ سے تعلق قائم کرے، اور اِسی اعلیٰ درجۂ قربت کے لیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں دعا کرے۔ اِس دعا کا کوئی تعلق سفارش کے خود ساختہ نظریے سے نہیں ہے۔

7- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعا وصلاۃ کا معاملہ کوئی پراسرار معاملہ نہیں۔ وہ صرف اظہارِ تعلق کی ایک صورت ہے۔ ایک انسان جو سچائی کا طالب ہو، لمبی جستجو کے بعد جب اس کو پیغمبر اسلام کے ذریعے ہدایت ملے تو فطری طور پر ایسا ہوگا کہ اس کو پیغمبر اسلام سے قلبی تعلق ہوجائے گا اور وہ اِس تعلق کا

اعتراف الفاظ کی صورت میں کرے گا۔ اِسی اعتراف کا دوسرا نام درود وصلاۃ ہے۔

8- حدیثوں کی نوعیت زیادہ تر یہ ہے کہ کوئی واقعہ گزرا تو اُس کی نسبت سے آپ نے لوگوں کو ایک اسلامی تعلیم بتادی۔ اِس اعتبار سے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کسی موقع پر جب مسجد سے اذان کی آواز آئی تو اُس وقت آپ کے پاس جو لوگ موجود تھے، اُن سے آپ نے مذکورہ بات فرمائی۔ آپ کے اِس قول کا مطلب یہ تھا کہ موذن کے کلمات کو سننے والا بھی اُسی طرح دہرائے۔ اُس کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ سننے والا مسجد میں حاضر ہو اور نماز کے ذریعے وہ قربتِ الٰہی (96: 19) کا تجربہ کرے۔ اِس طرح اس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اعلیٰ اعتراف کا جذبہ پیدا ہو، جن کے ذریعے عبادت کا یہ نظام اور دوسری تعلیماتِ الٰہیہ حاصل ہوئیں۔ اِسی جذبۂ اعتراف کا یہ ایک اظہار ہے کہ مومن یہ کہے کہ خدایا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قربت کا درجہ عطا فرما اور آپ کو جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز فرما۔

9- حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ”جو میرے لیے ایک بار دعا کرتا ہے، اللہ اُس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے“۔ حدیث کے یہ الفاظ ”درود“ کی کسی علاحدہ خصوصیت کو نہیں بتا رہے ہیں۔ وہ ایک عام سنتِ الٰہی کو بتا رہے ہیں، جیسا کہ ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ کسی عمل کا کم از کم دس گنا اجر دیتا ہے اور عمل کی کیفیاتی قدر کے مطابق، اس کا انعام سات سو گنا تک یا اس سے بھی زیادہ دیا جاتا ہے۔ حدیث کے مذکورہ الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم کو اس کا اجر ملے گا۔ جس کی کم سے کم مقدار دس گنا ہوگی۔ صلاۃ وسلام دراصل پیغمبر کے حق میں ایک مومن کی طرف سے اعتراف کا کلمہ ہے۔ جس کا اعتراف جتنا شدید ہوگا، اتنا ہی اس کا اجر بڑھتا جائے گا۔ وسیلہ کا یہ مفہوم قرآن وحدیث کے متن سے بالکل واضح ہے۔ مگر اُس کو سمجھنے کے لیے ایک لازمی شرط ہے، وہ یہ کہ آدمی اپنے روایتی شاکلہ (traditional mindset) کو توڑے۔ وہ خالص علمی انداز میں کھلے ذہن کے ساتھ قرآن وحدیث کا موضوعی (objective) مطالعہ کرے۔ وسیلہ کی مذکورہ تشریح کو سمجھنے کے لیے اِس شرط کو پورا کرنا ضروری ہے۔

صلاۃ وسلام

قرآن کی سورہ الاحزاب میں ارشاد ہوا ہے: إن اللّٰہ و ملائکتہ یصلّون علی النبی، یاأیھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ و سلّموا تسلیماً (33: 56) یعنی اللہ اور اس کے فرشتے، نبی پر صلاۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو، تم بھی نبی پر صلاۃ وسلام بھیجو۔

'صلاۃ' کا لفظ جب اللہ کی نسبت سے بولا جائے تو اس سے مراد رحمت ہوتی ہے۔ اور جب 'صلوۃ' کا لفظ بندے کی نسبت سے بولا جائے تو اس سے مراد دعا ہوتی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول پر جس مشن کی ذمے داری ڈالی ہے، اُس میں وہ تنہا نہیں ہے، بلکہ اللہ کی رحمتیں اس کے ساتھ ہیں۔ اللہ کے فرشتے بھی اِس مشن میں رسول کی مسلسل تائید کر رہے ہیں۔ یہی کام اہلِ ایمان کو بھی کرنا چاہیے۔ اہلِ ایمان کے دل میں رسول کے لیے بہترین جذبات ہونے چاہئیں۔

آیت میں 'صلّوا' کے بعد 'و سلّموا تسلیماً' کے الفاظ 'صلّوا' کی مزید تاکید کو بتا رہے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ ایمان کو چاہئے کہ وہ پیغمبر کے رول کو بھرپور طور پر دریافت کریں۔ جب وہ اِس رول کو شعوری طور پر دریافت کریں گے تو اس کا فطری نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ رسول کے لیے سرتاپا اطاعت بن جائیں گے۔ اُن کے دل میں رسول کے لیے صلاۃ وسلام اور اعتراف کے چشمے جاری ہو جائیں گے، جس کا اظہار بار بار الفاظ کی صورت میں ہوگا۔ یہی مطلب ہے صلاۃ وسلام کے اِن الفاظ کا: اللھم صل علی محمد و علی اٰلِ محمد، کما صلیت علٰی إبراھیم، و علیٰ اٰل إبراھیم، إنك حمید مجید۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود کوئی پُر اسرار چیز نہیں۔ یہ دراصل ایک مومن کی طرف سے آپ کے لئے قلبی اعتراف (heartfelt acknowledgement) ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ انسان کو دو انتہائی اہم چیزیں ملی ہیں — ایک مستند خدائی ہدایت نامہ (authentic divine guidance)۔ اور دوسرا، خدائی ہدایت کا مستند رول ماڈل (authentic role model)۔ یہ دونوں چیزیں رسول کے سوا

کہیں اور سے نہیں مل سکتی تھیں۔ ایک مومن کو جب اِس حقیقت کا شعور حاصل ہوتا ہے تو اس کے اندر رسول اللہ کے لیے گہرے اعتراف کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کی زبان سے بے اختیارانہ طور پر وہ الفاظ نکل جاتے ہیں جن کو صلاۃ وسلام کہا جاتا ہے۔

درود کلمۂ فضیلت نہیں ہے، درود کلمۂ اعتراف ہے۔ ایک شخص پیدا ہو کر اِس دنیا میں آتا ہے۔ وہ جاننا چاہتا ہے کہ میں کیا ہوں اور یہ کائنات کیا ہے۔ موت سے پہلے کیا ہے اور موت کے بعد کیا۔ کامیابی کیا ہے اور ناکامی کیا۔ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اِن سوالات کا جواب معلوم کرنا چاہتا ہے، مگر کہیں بھی اس کو اِن سوالات کا مستند جواب نہیں ملتا۔

آخر کار، وہ اِس دریافت تک پہنچتا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کے ذریعے جو دین انسان کو دیا گیا ہے، وہی اس سوال کا حقیقی جواب ہے۔ یہ دریافت اس کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اعتراف کے جذبے سے سرشار کر دیتی ہے۔ یہ جذبۂ اعتراف جب لفظوں میں ڈھلتا ہے تو اِسی کا نام صلاۃ وسلام ہے۔

درود یا صلاۃ وسلام یہ نہیں ہے کہ کچھ مخصوص الفاظ کو اپنی زبان سے دہرا دیا جائے یا اُن کی تکرار کی جاتی رہے۔ یہ رسول کے لیے صلاۃ وسلام کا کم تر اندازہ (underestimation) ہے۔ رسول کے لیے صلاۃ وسلام کا آغاز دریافت سے ہوتا ہے۔

ایک مومن پیغمبر کے اِس رول کو دریافت کرتا ہے۔ اِس دریافت کے نتیجے میں اس کے اندر اعلیٰ کیفیات پیدا ہوتی ہیں۔ یہ کیفیات لفظوں میں ڈھل جاتی ہیں، اِس کے بعد فطری طور پر ایسا ہوتا ہے کہ مومن، پیغمبر کو اپنا رہنما بنا لیتا ہے۔ وہ پیغمبر کے اسوہ (model) کو اختیار کر لیتا ہے۔ وہ پیغمبر کے مشن میں اپنے آپ کو ہمہ تن لگا دیتا ہے۔ وہ پیغمبر کے مشن کو اپنا مشن بنا لیتا ہے — یہ تمام چیزیں درود وسلام کا لازمی حصہ ہیں، کچھ چیزیں براہِ راست طور پر اس کا حصہ ہیں اور کچھ چیزیں بالواسطہ طور پر اس کا حصہ۔

ایک واقعہ

سلطان غیاث الدین تغلق (وفات: 1325ء) کے دربار میں ایک خاص مسئلے پر شیخ الوقت خواجہ نظام الدین اولیاء (وفات: 1325ء) اور شیخ الاسلام قاضی جلال الدین کے مابین مناظرہ ہوا۔ اُس وقت اپنے موقف کے حق میں خواجہ نظام الدین نے ایک حدیث رسول کو پیش کرنا چاہا، تو قاضی جلال الدین نے کہا کہ — تم ابوحنیفہ کے مقلد ہو، تمھیں حدیث رسول سے کیا مطلب۔ اگر ابوحنیفہ کا کوئی قول پیش کر سکتے ہو تو پیش کرو: ''تو مقلدِ ابوحنیفہ ہستی، بُرا با حدیثِ رسول چہ کار۔ قول ابوحنیفہ بیار''۔

اِس کو سن کر خواجہ نظام الدین اولیاء نے یہ کہتے ہوئے مناظرہ ختم کر دیا اور دربار سے اٹھ گئے کہ — سبحان اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے ہوتے ہوئے مجھ سے ابوحنیفہ کے قول کا مطالبہ کیا جا رہا ہے: ''سبحان اللہ، کہ باوجود قول مصطفوی، از من قولِ ابوحنیفہ می خواہند''۔ (سیر العارفین بحوالہ سہ ماہی مجلّہ حکمتِ قرآن، لاہور، جنوری۔ مارچ 2011، صفحہ 9)۔

یہ واقعہ ایک واقعہ نہیں، یہ ایک مثال کی صورت میں دورِ زوال کی امتِ مسلمہ کی تصویر ہے۔ زوال کے دور میں، دوسری امتوں کی طرح امتِ مسلمہ میں بھی یہ واقعہ پیش آیا کہ امت کے شیوخ اور اکابر، دین کا ماخذ بن گئے۔ جس طرح یہود کے دورِ زوال میں یہ ہوا کہ اُن کے احبار اور رہبان (علما اور مشائخ) اُن کے لیے دین کا ماخذ بن گئے۔ تاہم امتِ مسلمہ کے پاس اِس معاملے میں ایک واضح معیار (criterion) موجود ہے، جس کے ذریعے صحیح اور غلط میں فرق کیا جا سکے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق، امت میں تین دور قُرونِ مشہود لہا بالخیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ تین دور یہ ہیں — دورِ رسالت، دورِ صحابہ، دورِ تابعین۔ اِس معیار کی روشنی میں دیکھئے تو وہ تمام افراد جن کو بعد کے زمانے میں ''اکابر'' کا درجہ دے دیا گیا، وہ سب قرونِ مشہود لہا بالخیر کے بعد کے افراد ہیں۔ ہم کو حق ہے کہ ان بعد کے لوگوں کی باتوں کو قرآن اور سنت کی روشنی میں جانچیں۔ اگر وہ قرآن اور سنت کے مطابق ہوں تو اُن کو لیں، ورنہ ان کو رد کر دیں۔

عجیب اور سبق آموز

والٹر ڈی لامیئر (Walter De La Mare) ایک برٹش مصنف ہے۔ وہ 1873 میں پیدا ہوا، اور 1956 میں اس کی وفات ہوئی۔ ڈی لامیئر کی ایک نظم ہے۔ اس کا عنوان مس ٹی (Miss T) ہے۔ اِس نظم کی ایک لائن یہ ہے — یہ بہت زیادہ عجیب بات ہے کہ مس ٹی جو کچھ کھاتی ہے، وہ مس ٹی بن جاتا ہے:

It's a very odd thing— as odd can be —
That whatever Miss T eats, turns into Miss T.

''مس ٹی'' ایک فرضی نام ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ مس ٹی کے باہر دسترخوان پر مختلف قسم کے کھانے ہیں — پھل، سبزی، چاول، دال، وغیرہ۔ یہ چیزیں جب تک باہر ہیں، وہ مختلف غذائی آئٹم ہیں۔ لیکن جب مس ٹی اِن چیزوں کو کھاتی ہے تو وہ اُس کے اندر داخل ہو کر اُس کے وجود کا حصہ بن جاتی ہیں۔

یہ تبدیلی (conversion) کا ایک واقعہ ہے، جب کہ ایک مادی چیز تبدیل ہو کر ایک شخص کے جسم کا جز بن جاتی ہے۔ تبدیلی کے اِس واقعے کا ایک اور پہلو ہے۔ یہ پہلو شعور سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک باشعور آدمی جب یہ سوچتا ہے کہ یہ مادی چیزیں کیسے بنیں، کیوں ایسا ہے کہ دو بہ ظاہر الگ الگ چیزوں میں کامل مطابقت پائی جاتی ہے۔ کس طرح یہ ممکن ہوا کہ یہ تمام چیزیں انسان کے لئے لائف سپورٹ سسٹم (life-support system) کا ذریعہ بن گئیں۔

جب ایک شخص اِس طرح سوچتا ہے تو وہ تخلیق کی معنویت (meaningfulness) کو دریافت کرتا ہے۔ وہ تخلیق میں خالق کو دیکھ لیتا ہے — یہی وہ تجربہ ہے جو انسان کے لیے ذہنی اور روحانی ارتقا کا ذریعہ ہے۔ مادی چیزیں انسان کے باہر صرف مادی چیزیں ہیں، لیکن انسان کے ذہن میں آ کر وہ شعوری ارتقا میں ڈھل جاتی ہیں۔

دعوتِ قرآن

قرآن کی سورہ مریم میں قرآن کے بارے میں یہ آیت آئی ہے: لتبشر بہ المتقین (19: 97) یعنی قرآن اِس لیے اتارا گیا ہے کہ وہ اہلِ تقویٰ کے لیے بشارت ثابت ہو۔ 'بشارت' کا مطلب اچھی خبر (good news) ہے۔ قرآن، خدا کی ایک مستند کتاب ہے۔ قرآن تمام انسانوں کو ایک اچھی خبر دینے والا ہے۔ وہ اچھی خبر یہ ہے کہ انسان اگر دنیا کی محدود زندگی میں حسنِ عمل کا طریقہ اختیار کرے تو وہ موت کے بعد کی زندگی میں ابدی جنت میں جگہ پائے گا۔

یہ اچھی خبر اُن افراد کے لیے ہے جو دنیا کی زندگی میں تقویٰ کی روش اختیار کریں۔ جنت عمومی طور پر ہر انسان کو نہیں ملے گی، وہ صرف اُس انسان کو ملے گی جو دنیا کی زندگی میں تقویٰ کا ثبوت دے (3: 133)۔ جنت کی معیاری دنیا میں جگہ پانے کی شرط صرف ایک ہے، اور وہ تقویٰ ہے۔

قرآن کی مذکورہ آیت کے مطابق، جنت کی بشارت متقی انسانوں کے لیے ہے۔ متقی کا لفظی مطلب ہے — ڈرنے والا یا بچنے والا۔ ڈرنا یا بچنا کیا ہے، یہ دراصل حساسیت (sensitivity) کا ایک ظاہرہ ہے۔ جب آدمی کسی چیز کے بارے میں بہت زیادہ باشعور ہو جائے تو فطری طور پر وہ اس کے بارے میں بہت زیادہ حساس (sensitive) ہو جاتا ہے۔ انسان کی زندگی میں سب سے بڑا رول اِسی حساسیت کا ہے۔ آدمی جس چیز کے بارے میں حساس نہ ہو، وہ اس کو نظر انداز کرے گا، اور جس چیز کے بارے میں وہ حساس ہو، وہ چیز اس کا کنسرن (concern) بن جائے گی۔ عین اپنے مزاج کے مطابق، اُس کو وہ سب سے زیادہ قابلِ توجہ چیز سمجھنے لگے گا۔

قرآن کا پیغام یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو ڈسٹریکشن سے بچائے۔ وہ اپنے شعور کو اتنا زیادہ بیدار کرے کہ اپنی زندگی میں خدا کی اطاعت ہی اُس کا سب سے بڑا کنسرن (sole concern) بن جائے، کوئی دوسری چیز اس کی حساسیت کا مرکز نہ بنے۔

ایسے آدمی کا حال کیا ہوگا، اُس کو قرآن میں مختلف مقامات پر بتایا گیا ہے۔ اِس سلسلے میں قرآن

کی ایک آیت یہ ہے: ولا تقفُ ما لیس لك بہ علم، إن السمع والبصر والفؤاد کلُّ أولئك کان عنه مسؤلاً (17:36) یعنی تم اُس چیز کے پیرو نہ بنو جس کا تمھیں علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل سب کی، آدمی سے پوچھ ہوگی۔

قرآن کی اِس آیت میں دراصل اُس چیز کا حکم دیا گیا ہے جس کو ایک لفظ میں صحیح طرزِ فکر کہا گیا ہے۔ انسانی زندگی کی درستگی کا سارا مدار اِس پر ہے کہ اس کے اندر صحیح طرز فکر پیدا ہو جائے۔ وہ اپنے قول اور عمل کے معاملے میں اپنے آپ کو پوری طرح قانونِ خداوندی کے مطابق بنالے۔

قرآن کے مطابق، یہی وہ منصوبۂ تخلیق (creation plan) ہے جس کے لیے انسان کو پیدا کرکے اس کو محدود مدت کے لیے سیارۂ ارض (planet earth) پر بسایا گیا ہے۔ سیارۂ ارض انسان کے لیے کوئی عیش گاہ نہیں ہے، وہ مذکورہ مقصد کے لیے مقامِ انتخاب (selection ground) ہے۔ یہاں وہ افراد چُنے جارہے ہیں جو اپنی اعلیٰ صفات کی بنا پر جنت جیسی معیاری دنیا میں بسائے جانے کے قابل ہوں۔ یہی بات قرآن کی سورہ الملک میں اِن الفاظ میں کہی گئی ہے: الذي خلق الموت والحیاة لیبلوکم أیُّکم أحسن عملاً (67:2) یعنی اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ وہ تم کو جانچے کہ تم میں سے کون اچھا کام کرتا ہے:

He created death and life so that He might test you,
and find out which of you is best in conduct.

اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں، وہ وسیع تر تقسیم (division) میں دو ہیں — مادی دنیا اور انسان۔ مادی دنیا سے مراد وہ پوری وسیع کائنات ہے جس کو نیچر (nature) کہا جاتا ہے۔ مادی دنیا مکمل طور پر خدا کے مقرر کئے ہوئے قانون (divine laws) کے تحت کام کر رہی ہے۔ وہ خدا کے قانون سے ادنی انحراف نہیں کرتی۔ مگر انسان کا معاملہ اِس سے مختلف ہے۔ انسان پوری کائنات میں ایک استثنا کی حیثیت رکھتا ہے، وہ یہ کہ انسان کو انتخاب کی آزادی (freedom of choice) عطا کی گئی ہے۔ انسان کو کامل اختیار حاصل ہے کہ وہ خود اپنی سوچ کے مطابق، اپنے قول و عمل کا فیصلہ کرے۔

یہ بات قرآن کی مختلف آیتوں میں بتائی گئی ہے۔ اِس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں، حالاں کہ اُسی کے حکم میں ہے جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے، خوشی سے یا ناخوشی سے، اور سب اُسی کی طرف لوٹائے جائیں گے'' (3:83)۔ اِس سلسلے میں قرآن کی ایک اور آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا، تو وہ دین اُس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں ناکام انسانوں میں سے ہوگا'' (3:85)

قرآن کی اِس آیت میں لفظ 'اسلام' (submission) استعمال کیا گیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ خالق کی جو اطاعت بقیہ کائنات سے جبری (compulsory) طور پر مطلوب ہے، انسان سے یہ مطلوب ہے کہ اِسی اطاعت کو وہ کامل آزادی کے ساتھ اپنی زندگی میں اختیار کرے۔

انسان کو سننے کی طاقت، دیکھنے کی طاقت اور سوچنے کی طاقت اِس لیے دی گئی ہے، تاکہ انسان اُن کا استعمال کرکے اپنے لیے اُس صحیح روش کو جان سکے جس کو قرآن میں صراطِ مستقیم کہا گیا ہے۔ صراطِ مستقیم سے ہٹنا، اِس بات کا ثبوت ہے کہ آدمی نے اپنی ملی ہوئی صلاحیتوں کو درست طور پر استعمال نہیں کیا۔ ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کے یہاں قابلِ مواخذہ (accountable) قرار پائے گا، کوئی بھی عذر اُس سے قبول نہیں کیا جائے گا (57:30)۔

اِسی طرح حیاتِ انسانی کا ایک اصول یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کبر (arrogance) کی نفسیات سے بچائے۔ اِس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت کے الفاظ یہ ہیں: **ولا تمش في الأرض مرحاً، إن الله لا يحب كلَّ مختال فخور** (31:18) یعنی تم زمین میں اکڑ کر نہ چلو۔ بے شک اللہ کسی اکڑنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

قرآن کی اِس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کے لیے سب سے بُری اخلاقی صفت کیا ہے، وہ کبر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کبر تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس کے برعکس، تواضع (modesty) تمام بھلائیوں کا سرچشمہ۔ قرآن کا مطلوب انسان وہ ہے جو متواضع ہو اور کبر کی نفسیات سے مکمل طور پر خالی ہو۔

قرآن کی سورہ الفجر میں بتایا گیا ہے کہ انسان کے ساتھ جو خوش گوار یا ناخوش گوار تجربات

پیش آتے ہیں، وہ صرف ابتلا (test) کے لیے ہوتے ہیں، مگر انسان ایسے واقعات کو منفی معنی میں لے لیتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ خوش گوار واقعہ پیش آئے تو وہ 'أکرمن' کی نفسیات میں مبتلا ہو جاتا ہے، یعنی احساسِ برتری (superiority complex) کی نفسیات میں۔ اِس کے برعکس، اگر اُس کے ساتھ کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آئے تو وہ 'أھانن' کی نفسیات میں مبتلا ہو جاتا ہے، یعنی احساسِ کم تری (inferiority complex) کی نفسیات میں (89: 15-16)۔

قرآن کے مطابق، یہ دونوں چیزیں انسان کو ہلاک کرنے والی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ انسان کے ساتھ کوئی خوش گوار واقعہ پیش آئے، تب بھی وہ اعتدال کی حالت پر قائم رہے۔ اور اگر اس کے ساتھ کوئی ناخوش گوار واقعہ پیش آئے، تب بھی وہ اعتدال کی حالت پر قائم رہے۔ جو انسان اِس طرح معتدل شخصیت کا ثبوت دے، اس کو قرآن میں النفس المطمئنة (89: 27) کہا گیا ہے، یعنی کامپلکس فری انسان (complex-free soul)۔

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ کسی انسان کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اُس کو موت کے بعد کی ابدی زندگی میں جنت میں داخلہ مل جائے۔ اِس سلسلے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے: إن هذا لهو الفوز العظيم. لمثل هذا، فليعمل العاملون (37: 60-61) یعنی یقیناً یہی بڑی کامیابی ہے۔ ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے مطابق، انسان کا گول (goal) کیا ہونا چاہئے، وہ گول صرف ایک ہے، اور وہ جنت ہے۔ جنت سادہ طور پر صرف ایک عیش گاہ نہیں ہے۔ جنت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ رب العالمین کا پڑوس ہے، اور بلاشبہہ کسی انسان کے لیے اِس سے بڑی کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی کہ اس کو ابدی زندگی میں اپنے رب کا پڑوس (neighbourhood) حاصل ہو جائے۔ جنت کی یہ خصوصیت قرآن کی اِس دعا سے معلوم ہوتی ہے: ربّ ابنِ لي عندك بيتاً في الجنة (66: 11) یعنی اے میرے رب، میرے لیے تو اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا دے۔

مسئلہ داخلی ہے، نہ کہ خارجی

بعد کے زمانے کے مسلمانوں کے بارے میں ایک حدیث اِن الفاظ میں آئی ہے: یوشك الأمم أن تداعى عليكم كما تداعى الأَكَلَةُ إلى قصعتها۔ فقال قائلٌ: و من قلةٍ نحن يومئذ۔ قال بل أنتم يومئذ كثير، ولكنكم غثاء كغثاء السيل، ولينزعنّ الله من صدور عدوكم المهابة منكم، وليقذفنّ في قلوبكم الوَهْن۔ قيل وما الوهن يا رسول الله۔ قال: حب الدنيا وكراهية الموت (أبو داؤد، رقم الحديث: 4297) حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ زمانہ آنے والا ہے جب کہ قومیں تمھارے اوپر ٹوٹ پڑیں، جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالے پر ٹوٹتے ہیں۔ ایک شخص نے کہا، کیا اِس لیے کہ اُس وقت ہم لوگ کم تعداد میں ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ اُس وقت تم لوگ بہت زیادہ ہو گے، مگر تم لوگ سیلاب کے جھاگ کی مانند ہو گے، اللہ تمھارے دشمنوں کے دل سے تمھاری ہیبت نکال دے گا، اور تمھارے دلوں میں 'وہن' پیدا کر دے گا۔ کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول، 'وہن' کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دنیا کی محبت، اور موت کو ناپسند کرنا۔

اِس حدیثِ رسول سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کے زمانے کے مسلمانوں میں یہ مسئلہ اگرچہ خارجی اعتبار سے پیدا ہوگا، لیکن اُس کا اصل سبب تمام تر داخلی ہوگا۔ امت کے اِس داخلی مسئلے کو حدیث میں ''وہن'' کہا گیا ہے۔ وہن کا لفظی مطلب ہے — ضعف (weakness)۔

یہ ضعف (کمزوری) کیا ہوگا، اِس کو بھی حدیث میں بتا دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ اُس زمانے میں مسلمانوں کا کنسرن (concern) یہ نہیں رہے گا کہ وہ دین کے تقاضے پورے کریں۔ اُن کا کنسرن صرف یہ ہوگا کہ وہ دنیا میں مادی اعتبار سے اپنی جگہ بنائیں۔ موت کے بعد پیش آنے والی صورتِ حال اُن کی سرگرمیوں کا مرکز و محور نہ ہوگی، بلکہ ان کی سرگرمیوں کا مرکز و محور صرف یہ ہوگا کہ وہ موت سے پہلے کی زندگی میں کس طرح مادی کامیابی اور مادی ترقی حاصل کریں۔ ''دنیا پرستی اور آخرت فراموشی'' کے اسی مزاج کو حدیث میں وہن کہا گیا ہے۔ اِس مزاج کے بعد امتِ مسلمہ سے خدا کی نصرت اٹھ جائے گی، اور

خدا کی نصرت اٹھنے ہی کا وہ نتیجہ ہوگا جس کی ایک تصویر مذکورہ روایت میں نظر آتی ہے۔ ایسی حالت میں اِس مسئلے کا حل دوسروں کے خلاف شکایت اور احتجاج نہ ہوگا، بلکہ اُس کا حل صرف یہ ہوگا کہ اپنی داخلی حالت کی اصلاح کر کے دوبارہ اپنے آپ کو نصرتِ الٰہی کا مستحق بنایا جائے۔

لوگوں کے دلوں میں تمھاری ہیبت باقی نہ رہے گی — ہیبت یا مہابت کا ترجمہ عام طور پر خوف کیا جاتا ہے، مگر خوف ایک منفی لفظ ہے، جب کہ ہیبت تمام تر ایک مثبت لفظ ہے۔ اِس حدیث میں ہیبت سے مراد سیاسی ہیبت نہیں ہے، بلکہ اِس سے مراد وہ ہیبت ہے جو اعلیٰ قسم کے مثبت اوصاف سے پیدا ہوتی ہے۔ ہیبت سے مراد وہ خوف نہیں ہے جو کسی درندہ جانور کو دیکھ کر آدمی کے اندر پیدا ہوتا ہے۔ ہیبت یا مہابت سے مراد وہ رعب و دبدبہ (profound reverence) ہے جو کسی فرد یا گروہ کے اندر اُس وقت پیدا ہوتا ہے، جب کہ وہ اخلاقی اور نظریاتی اعتبار سے دوسروں کے مقابلے میں برتر حیثیت حاصل کر لے۔ قدیم زمانے میں مسلمانوں کو دوسروں کے مقابلے میں یہ ہیبت حاصل تھی، جب کہ موجودہ زمانے میں مسلمانوں نے دوسروں کے مقابلے میں اپنی یہ ہیبت مکمل طور پر کھودی ہے۔ اِس فرق کا سبب یہ نہیں ہے کہ قدیم زمانے میں مسلمانوں کے پاس ''لشکرِ جرّار'' کی طاقت موجود تھی، بلکہ اِس کا سبب یہ ہے کہ قدیم زمانے کے مسلمان اپنی نظریاتی برتری، اصول پسندی، نفع بخشی اور اپنی اخلاقی عظمت کے اعتبار سے، دوسروں کے مقابلے میں اعلیٰ سطح پر پہنچے ہوئے تھے۔

اِس حدیث میں بعد کے زمانے کے مسلمانوں کی جس حالت کا ذکر ہے، وہ کوئی پُراسرار بات نہیں، وہ ایک تاریخی حقیقت کا بیان ہے۔ فطرت کے قانون کے مطابق، ہر قوم کی بعد کی نسلوں میں زوال (degeneration) آتا ہے۔ اِس معاملے میں مسلمانوں کا کوئی استثنا (exception) نہیں۔ فطرت کے قانون کے مطابق، ایسا ہوتا ہے کہ دورِ زوال میں پیدا ہونے والی نسلیں مثبت اوصاف سے محروم ہو جاتی ہیں۔ پہلے اگر وہ دوسری قوموں کو دینے والے (giver) تھے، تو اب وہ دوسری قوموں سے لینے والے (taker) بن جاتے ہیں۔ پہلے اگر اُن کے افراد میں اعلیٰ حوصلگی تھی، تو اب اُن کے افراد پست حوصلگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پہلے اگر اُن کے اندر تخلیقی فکر تھی، تو اب اُن کے افراد صرف تقلیدی فکر کے

حامل بن جاتے ہیں۔ پہلے اگر ان کے دلوں میں دوسروں کے لیے خیر خواہی کا جذبہ ہوتا تھا، تو اب ان کے دل دوسروں کے خلاف نفرت اور شکایت کا جنگل بن جاتے ہیں۔ پہلے اگر ان کے اندر صبر وتحمل کے اوصاف تھے، تو اب ان کا حال یہ ہوجاتا ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشتعل ہوکر لڑنے لگتے ہیں۔

حدیث میں 'کراھیۃ الموت' کا لفظ آیا ہے۔ اِس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بعد کے زمانے کے مسلمان موت سے ڈرنے لگیں گے۔ اِس کا ثبوت موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی حالت ہے۔ موجودہ زمانے کے مسلمانوں پر اب وہ وقت مسلّمہ طور پر آچکا ہے جس کی پیشین گوئی حدیث میں کی گئی تھی۔ لیکن اِسی کے ساتھ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ وہ موت سے بالکل بے خوف ہوگئے ہیں۔ دنیا کے مختلف حصوں میں بڑے پیمانے پر اُن کی مسلح تنظیمیں قائم ہیں۔ اِن مسلّح تنظیموں میں مسلمان بڑی تعداد میں شریک ہیں۔ وہ جگہ جگہ جہاد کے نام پر مسلح کلچر چلائے ہوئے ہیں۔ بالاکوٹ کے شہیدوں اور علماءِ ہند کی قربانیوں سے لے کر موجودہ فلسطین اور افغانستان تک ہر جگہ مسلمان بڑے پیمانے پر مسلح کلچر چلائے ہوئے ہیں، حتی کہ وہ بے خوف ہوکر خودکش بم باری کرتے ہیں۔ وہ جگہ جگہ پُرتشدد مظاہرے کرتے ہیں، خواہ اس کے جواب میں اُن کو فریق ثانی کی طرف سے بندوق کی گولیوں کا سامنا کرنا پڑے۔

ایسی حالت میں ''کراہیتِ موت'' کی تشریح یہ نہیں ہوسکتی کہ مسلمان بعد کے دور میں لڑنا مرنا چھوڑ دیں گے۔ اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ بعد کے دور کے مسلمانوں میں دینی زوال کے نتیجے میں مبنی بر موت سوچ ختم ہوجائے گی، آخرت رخی زندگی کا حقیقی تصور اُن کے اندر باقی نہیں رہے گا۔ موت سے وابستہ حقائق، جنت اور جہنم اور فکرِ آخرت جیسی چیزیں ان کی شخصیت کا حصہ نہیں رہیں گی۔ اِس حدیثِ رسول سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ''ہیبت'' کا تعلق تعداد سے نہیں ہے، بلکہ کردار سے ہے۔ تعداد خواہ کتنی ہی زیادہ ہو، وہ مسلمانوں کے لیے عزت ووقار کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ اُس کے لیے ضروری ہے کہ مسلم افراد میں حقیقتِ موت کا شعور پیدا کیا جائے، جس کا دوسرا نام آخرت رخی سوچ ہے۔ آخرت رخی سوچ ہی سے افراد میں وہ اعلیٰ کردار بنتا ہے جو اُن کو لوگوں کے درمیان عزت ووقار کا درجہ عطا کرتا ہے۔

امتِ مسلمہ کا احیا

کچھ بچے ایک جگہ بیٹھ کر کھیل رہے تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ بچوں نے کہا کہ جھوٹ موٹ کھچڑی پکا رہے ہیں۔ پوچھنے والے نے کہا کہ جب جھوٹ موٹ ہی پکانا ہے تو کھچڑی کیوں پکاؤ، پلاؤ پکاؤ۔

یہ لطیفہ موجودہ زمانے کے مسلم رہنماؤں پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ موجودہ زمانے کا ہر رہنما احیاءِ ملت کی باتیں کرتا ہے، مگر اُن کا احیاءِ ملت کا تصور رومانی خواب کے سوا کچھ اور نہیں۔ یہ سب کے سب رہنما ایسی چیزوں کو اپنا نشانہ بنائے ہوئے ہیں جو کبھی وقوع میں آنے والی نہیں۔ یہ رہنما عام طور پر درج ذیل قسم کے خوش نما الفاظ بولتے ہیں:

مسلم تہذیب کا احیا (Revival of Muslim Civilization)

مسلم ایمپائر کا احیا (Revival of Muslim Empire)

مسلم خلافت کا احیا (Revival of Muslim Khilafah)

مسلم عظمت کا احیا (Revival of Muslim Glory)

مسلم تاریخ کا احیا (Revival of Muslim History)

یہ نشانے سب کے سب قومی نشانے ہیں اور قومی نشانے کبھی اِس دنیا میں پورے نہیں ہوتے، کیوں کہ قومی نشانوں کو کبھی خدا کی مدد حاصل نہیں ہوتی۔ مسلم امت کا نشانہ صرف ایک ہے، اور وہ دعوت الی اللہ ہے۔ قرآن اور حدیث میں اِس کو ''شہادت علی الناس'' کہا گیا ہے، یعنی اللہ کے پیغام کو اس کے بندوں تک پہنچانا۔ یہی دعوت الی اللہ امتِ مسلمہ کا واحد مشن ہے۔ یہ مشن اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک غیر سیاسی مشن ہے، اور اپنے طریقِ کار کے اعتبار سے، پوری طرح ایک پُر امن مشن (peaceful mission)۔ اِس دعوتی مشن کے لیے اللہ کی طرف سے یقینی نصرت کا وعدہ ہے۔ یہ مشن تمام انسانوں کے لیے ہے، نہ کہ کسی خاص قوم کے لیے۔

اصلاح کا صحیح طریقہ

موجودہ زمانے میں مسلمانوں کی اصلاح کے لیے بہت بڑی بڑی تحریکیں اٹھائی گئیں، لیکن ظاہری دھوم کے باوجود مثبت نتیجے کے اعتبار سے اُن کا کوئی حقیقی حاصل نہیں۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ اِن تحریکوں کا نقطۂ آغاز (starting point) درست نہ تھا۔ اصلاح کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ سب سے پہلے افراد کا ذہن بنایا جائے۔ خارجی نوعیت کی سرگرمیوں سے آغاز کوئی آغاز نہیں۔

مسلمانوں کی اصلاح کی پہلی شرط یہ ہے کہ ان کے ذہنی شاکلہ (mindset) کو بدلا جائے۔ مائنڈ سیٹ کیا ہے، اس کا مطلب ہے:

A fixed set of attitudes

تاریخی اعتبار سے دیکھئے تو قدیم عرب میں لوگوں کا جو مائنڈ سیٹ تھا، اس کو قبائلی مائنڈ سیٹ (tribal mindset) کہا جاسکتا ہے۔

اِس کے بعد دورِ اقتدار آیا۔ اُس زمانے میں، مسلمانوں کے اندر ایک نیا مائنڈ سیٹ بنا۔ اِس کو سیاسی مائنڈ سیٹ (political mindset) کہا جاسکتا ہے۔ یہ مائنڈ سیٹ تقریباً اٹھارھویں صدی کے آخر تک چلتا رہا۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں، مسلمانوں کا سیاسی اور تہذیبی دبدبہ ختم ہوگیا۔ اِس کے بعد مسلمانوں کے اندر ردِّ عمل کی نفسیات پیدا ہوئی۔ اب ان کے اندر جو مائنڈ سیٹ بنا، اس کو انتقامی مائنڈ سیٹ (revengeful mindset) کہا جاسکتا ہے۔

یہی انتقامی مائنڈ سیٹ آج تقریباً تمام دنیا کے مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ شکایت، نفرت، تشدد، خودکش بم باری سب اِسی مائنڈ سیٹ کے عملی مظاہر ہیں۔ اب اکیسویں صدی میں مسلمانوں کی اصلاح کے لیے جو کام کرنا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ اُن کے اندر دوبارہ وہی مائنڈ سیٹ پیدا کیا جائے جو رسول اور اصحابِ رسول کے زمانے میں پایا جاتا تھا، یعنی دعوتی مائنڈ سیٹ۔ یہی مسلمانوں کی اصلاح کا صحیح آغاز ہے۔ اِسی طرح کام کرنے سے مسلمانوں کے اندر حقیقی نتائج پیدا ہوسکتے ہیں۔

مسئلے کا حل

موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا عام خیال یہ ہے کہ وہ ''اغیار'' کی سازش اور تشدد کا شکار ہیں۔ مگر قرآن یہ کہتے ہوئے اِس نظریے کو رد کر رہا ہے کہ — اللہ ہرگز منکروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہیں دے گا:

And never will God allow non-believers
to harm the believers. (4:141)

پھر مسلمانوں کے ساتھ پیش آنے والی موجودہ صورتِ حال کا سبب کیا ہے۔ قرآن ایک اور آیت میں اُس کا جواب اِس طرح دیتا ہے — اور جو مصیبت تم کو پہنچتی ہے، وہ تمھارے اپنے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں ہی کے سبب سے ہے:

Whatever misfortune befalls you
is of your own-doing (42: 30)

اب سوال یہ ہے کہ موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے ساتھ ''اغیار'' کی طرف سے جو مسائل پیش آ رہے ہیں، اُس کا اصل سبب کیا ہے۔ اِس کا جواب قرآن کی ایک اور آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ اِس آیت کا ترجمہ یہ ہے — اے پیغمبر، جو کچھ تمھارے اوپر تمھارے رب کی طرف سے اترا ہے، تم اس کو لوگوں تک پہنچا دو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائے گا:

O Prophet, deliver whatever has been sent down to you by your Lord. If you do not do so, you will not have conveyed His message. God will protect you from the people. (5: 67)

قرآن کی اِس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان کی عصمت (protection) کا معاملہ دعوت الی اللہ (Dawah work) سے جڑا ہوا ہے، یعنی اہلِ ایمان اگر دعوہ ورک کریں تو اُن کو خدا کی طرف سے پروٹکشن ملا رہے گا۔ اگر وہ دعوہ ورک چھوڑ دیں، تو خدا کا پروٹکشن اُن سے اٹھ جائے گا۔ اہلِ ایمان کے مسائل کا حل نہ پروٹسٹ ہے اور نہ ٹکراؤ۔ اہلِ ایمان کے مسئلے کا واحد حل دعوہ ورک ہے۔

کوئی بھی دوسری تدبیر اِس معاملے میں اہلِ ایمان کے لیے ہرگز کارگر نہیں ہوسکتی:

Dawah work guarantees divine protection of Muslim Ummah.

حدیثِ رسول کے مطابق، موجودہ زمانے کے مسلمانوں کو عالمی ادخالِ کلمہ کی ذمے داری ادا کرنا تھا، یعنی گلوبل دعوہ ورک۔ اِس گلوبل دعوہ ورک کے لیے ایک گلوبل انفراسٹرکچر درکار تھا۔ مسلمان خود اس گلوبل انفراسٹرکچر کو وجود میں نہ لا سکے۔ اِس کے بعد خدا نے سیکولر قوموں سے یہ کام لیا کہ وہ ایک گلوبل انفراسٹرکچر ڈیولپ کریں۔ سیکولر قوموں کے اِس رول کی پیشین گوئی خود حدیثِ رسول میں کردی گئی تھی۔ چناں چہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مستقبل میں سیکولر لوگوں کے ذریعے اپنے دین کی تائید کا انتظام کرے گا (إن الله ليؤيد هذا الدين بالرجل الفاجر)۔

مسلمانوں کی ناکامی کے بعد سیکولر قوموں کے ذریعے اِس گلوبل انفراسٹرکچر کا وجود میں آنا، اِسی حدیثِ رسول کے مطابق تھا۔ مسلمانوں پر فرض تھا کہ وہ اِس راز کو سمجھیں اور ماڈرن انفراسٹرکچر کو گلوبل دعوہ ورک کے لیے استعمال کریں۔ لیکن بعض اسباب سے مسلمان اِس راز کو نہ سمجھ سکے اور خود ساختہ اِشوز کو لے کر لوگوں سے رقابت (rivalry) قائم کرلی، حتی کہ وہ اُن کے خلاف تشدد کرنے لگے۔

مسلمانوں کی یہ روش خدا کی اسکیم کے خلاف تھی۔ اب مسلمانوں کے لیے واحد راستہ یہ ہے کہ وہ اپنی پالیسی پر نظر ثانی کریں، وہ ازسرِ نو اپنے عمل کی منصوبہ بندی کریں۔

وہ دوسری قوموں کو اپنا مدعو سمجھیں، نہ کہ اپنا حریف (rival)۔ وہ جدید تہذیب کے ذریعے حاصل ہونے والے گلوبل انفراسٹرکچر کو لے کر عالمی سطح پر پرامن دعوہ ورک کو انجام دیں۔ مسلمانوں کے لیے یہی واحد راستہ ہے۔ اِس کے سوا کوئی اور طریقہ نہیں جو مسلمانوں کو موجودہ مسائل سے نجات دلانے والا ہو۔ مسلمانوں کے لیے فرض کے درجے میں ضروری ہے کہ وہ دعوت الی اللہ کے سوا ہر دوسری چیز کو اپنے لیے سکنڈری بنائیں۔ وہ دعوت کو اپنی زندگی کا واحد مشن قرار دیں۔ اِس کے بعد ہی ان کو دوبارہ خدا کی حفاظت ملے گی۔ اِسی میں اُن کے لیے دنیا کی حفاظت ہے اور اِسی میں ان کے لیے آخرت کی نجات مقدر ہے۔

اسلامی تحریک کا ہدف

تبلیغی جماعت کے سابق امیر مولانا انعام الحسن کاندھلوی (وفات: 1996ء) نے کہا تھا کہ: ہماری تبلیغی تحریک ایک مسجد وار تحریک ہے۔ مولانا انعام الحسن کاندھلوی کا یہ قول تبلیغی جماعت کی صحیح تصویر کو بتاتا ہے۔ تبلیغی جماعت کی تحریک اصلاً مسلمانوں کی دینی اصلاح کی تحریک ہے، جو مسجدوں کو بنیاد بنا کر چلائی جارہی ہے۔ مسجد وار تحریک کا مطلب ہے — مسجد اورینٹڈ موومنٹ (Masjid-oriented movement)۔ موجودہ زمانے میں مسلمانوں کے اندر جو تحریکیں اٹھیں، وہ مختلف پہلوؤں سے اِسی قسم کی تحریکیں تھیں — مسجد وار تحریک، مدرسہ وار تحریک، ملت وار تحریک، تحفظ وار تحریک، مناظرہ وار تحریک، فخر وار تحریک، سیاست وار تحریک، وغیرہ۔ اِس قسم کی تحریکوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے جو انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے درمیان پھیلا ہوا ہے، اور اکیسویں صدی میں بھی اس قسم کی تحریکوں کا تسلسل جاری ہے۔

تحریکوں کی اِس طویل فہرست میں صرف ایک تحریک ہے جو غیر موجود ہے، اور وہ ہے دعوت وار تحریک۔ دعوت وار تحریک کے لیے قرآن میں دعوت الی اللہ کا لفظ آیا ہے، یعنی خدا کے بندوں کو خدا کی طرف بلانا، تمام انسانوں کو خدا کے تخلیقی منصوبہ (creation plan) سے آگاہ کرنا۔ قرآن میں اِس دعوت وار تحریک کے لیے مختلف الفاظ آئے ہیں۔ مثلاً اِنذار، تبشیر، وغیرہ۔

دعوت الی اللہ، امتِ مسلمہ کا سب سے بڑا مشن ہے۔ یہی تمام پیغمبروں کا مشن تھا۔ یہی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن تھا۔ یہی اب امتِ محمدی کا مشن ہے۔ اِسی دعوتی مشن کی انجام دہی پر امتِ محمدی کا امتِ محمدی ہونا متحقق ہوتا ہے۔ امت اگر اِس دعوتی مشن کو انجام نہ دے تو اللہ کی نظر میں اس کا امتِ محمدی ہونا مشتبہ ہوجائے گا۔ مزید یہ کہ یہ دعوتی مشن فرض علی الکفایۃ نہیں ہے، بلکہ وہ فرضِ عین ہے۔ امت کا ہر فرد جس طرح عبادت کو اپنے لیے فرض سمجھتا ہے، اسی طرح امت کے ہر فرد کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی استطاعت کے مطابق، اِس دعوتی مشن میں اپنے آپ کو شریک کرے۔

انسانی ذمّے داری
(Human Responsibility)

رسپانسبلٹی (responsibility) سے مراد وہی چیز ہے جس کو ڈیوٹی (duty) کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ — انسان ایک سماجی حیوان ہے:

Man is a social animal

اِس کا مطلب یہ ہے کہ سوسائٹی کا ممبر ہونے کی حیثیت سے ہر فرد کے اوپر اپنی سوسائٹی کی نسبت سے کچھ ذمے داریاں ہیں (Individual's duty towards his society)۔

اِسی کے ساتھ انسان، نیچر کا ایک حصہ ہے۔ اِس اعتبار سے، ہر انسان کی یہ بھی ذمے داری ہے کہ وہ نیچر کے معاملے میں اپنی ڈیوٹی کو ادا کرے۔ اِس طرح، انسانی ذمے داری کے دو پہلو ہیں — ایک، سوسائٹی کی نسبت سے۔ اور دوسرا، نیچر کی نسبت سے۔ انسانی ذمے داری کا یہ تصور مذہبی تعلیمات کا اہم حصہ ہے۔

تمام مذاہب میں انسان کی اِن دونوں ذمے داریوں کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔ اِس طرح، اسلام میں بھی اِن دونوں پہلوؤں کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔

رسپانسبلٹی اپنی حقیقت کے اعتبار سے، اعتراف (acknowledgement) کا دوسرا نام ہے۔ آپ کو دوسروں سے جو کچھ ملتا ہے، آپ عملی طور پر اس کا اعتراف کرنا چاہیں تو اِسی سے وہ کردار وجود میں آتا ہے جس کو انسانی ذمے داری کہا جاتا ہے۔

سوسائٹی کی نسبت سے فرد کی ذمے داری

پہلے سوسائٹی کو لیجئے۔ پچھلے زمانے میں سوسائٹی سے مراد آپ کا قریبی سماج ہوتا تھا۔ اب ہم الکٹرانک دور میں جی رہے ہیں، اِس لیے اب سوسائٹی کا لفظ وسیع تر سماج کے ہم معنی بن گیا ہے۔ اب سوسائٹی سے مراد قریبی سوسائٹی بھی ہے، اور الکٹرانک سوسائٹی بھی۔

سماجی زندگی کا اخلاقی معیار یہ ہے کہ ہر فرد اپنی سوسائٹی میں اُس کا دینے والا ممبر (giver member) بن کر رہے۔ وہ سوسائٹی میں اِس طرح رہے کہ اُس سے دوسروں کو کچھ نفع مل رہا ہو۔ وہ سوسائٹی کے حق میں اپنی ڈیوٹی کو ادا کرے۔ مثلاً وہ دوسروں کے لیے کوئی پرابلم پیدا نہ کرے۔ وہ دوسروں سے کئے ہوئے عہد کو لازماً پورا کرے۔ وہ دوسروں کے جان و مال میں اُنھیں کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ وہ سماج میں ایک قابل پیشین گوئی کردار والا انسان (predictable character) بن کر رہے، یعنی سماج اُس سے جائز طور پر جو امید رکھے، اُس امید میں وہ پورا اترے۔

ایک واقعہ اِس معاملے کو اچھی طرح واضح (illustrate) کرتا ہے۔ شکاگو (Chicago) امریکا کا ایک شہر ہے۔ شکاگو کے لفظی معنی جنگلی پیاز (wild onion) کے ہیں۔ پہلے یہ شہر اپنی گندگی اور جرائم اور ناقص مکانات کے لیے مشہور تھا۔ اِس لیے اس کا یہ نام پڑ گیا۔ آج شکاگو ایک اعلیٰ درجے کا خوب صورت شہر ہے۔

شکاگو کی جدید تاریخ رچرڈ ڈیلی (Richard J. Daley) کی طرف منسوب ہے۔ وہ 1902 میں پیدا ہوا، اور 1976 میں اس کی وفات ہوئی۔ 1955 میں وہ شکاگو کا میئر منتخب ہوا، اور آخر عمر تک وہ شکاگو کا میئر رہا۔ میئر بننے کے بعد اس نے ازسرِ نو شہر کی تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ اس نے قدیم شکاگو کو ہر اعتبار سے نیا شکاگو بنا دیا۔

رچرڈ ڈیلی کی کامیابی کا خاص راز یہ تھا کہ اس نے شکاگو کی جدید تعمیر کو وہاں کے باشندوں میں سے ہر ایک کا ذاتی مسئلہ بنا دیا۔ اُس نے ہر ایک کے اندر یہ ذہن پیدا کیا کہ یہ کام مجھے کرنا ہے، اور میں ہی اس کو انجام دوں گا۔ اس نے شکاگو میں بسنے والے ہر شخص کو یہ ماٹو دیا — میں اِس کو کروں گا:

I will do it.

ایک فرد کے لیے سماج میں جینے کے دو اصول ہیں — ایک، یہ کہ وہ سماجی ذمے داریوں کو اپنے اوپر لے۔ دوسرا، یہ کہ وہ سماجی ذمے داریوں کو دوسروں کے اوپر ڈالے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ ایک ہے، آئی ول ڈو اسپرٹ (I will do spirit) کے ساتھ سماج میں رہنا۔ اور دوسرا ہے،

دے وِل ڈو اِٹ اسپرٹ (They will do it spirit) کے ساتھ سماج میں رہنا۔ اِن دونوں طریقوں میں بہت زیادہ فرق ہے۔ جس سماج کے افراد آئی ول ڈو اٹ اسپرٹ (I will do it spirit) کے ساتھ رہیں، وہ سماج ترقی کرے گا۔ اس کے ہر شعبے درست طور پر کام کریں گے۔ اِس کے برعکس، جس سماج کے افراد دے وِل ڈو اِٹ اسپرٹ (They will do it spirit) کے ساتھ رہیں، وہ سماج غیر ترقی یافتہ سماج ہوگا۔ ایسے سماج کے ہر شعبے بگاڑ کا شکار ہو جائیں گے۔ آئی ول ڈو اٹ (I will do it) ذمے دار شخصیت کی علامت ہے اور دے وِل ڈو اِٹ (They will do it) غیر ذمے دار شخصیت کی علامت۔

سماجی رسپانسبلٹی کا تصور ہر فرد کو ڈیوٹی کانشس (duty-conscious) بناتا ہے۔ ایسے سماج میں ہر فرد اس کا گور ممبر (giver member) بن کر رہنے کی کوشش کرتا ہے، نہ کہ صرف ٹیکر ممبر (taker member)۔ اِس کے برعکس، جس سماج میں لوگوں کے اندر رسپانسبلٹی کا احساس نہ ہو، وہاں کا ہر فرد رائٹ کانشس (right-conscious) بن جائے گا۔ ایسے سماج کا ہر فرد، سماج سے اپنے لیے لینا چاہے گا، لیکن خود سماج کو دینے کی اسپرٹ اس کے اندر موجود نہ ہوگی۔

رسپانسبلٹی پر مبنی سماجی اخلاقیات کی معقولیت کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سماج اپنے وسیع تر مفہوم میں، ہر فرد کو بہت زیادہ دے رہا ہے۔ کوئی فرد سماج کو جو کچھ دیتا ہے، وہ اُس سے بہت کم ہے جو اُس کو سماج سے مل رہا ہے۔ کوئی فرد اگر پورے معنوں میں سماج کا گور ممبر بن جائے، تب بھی سماج کے لیے اُس کا عطیہ ایک فی صد سے بھی کم ہوگا، جب کہ سماج نے اس کو جو کچھ دیا ہے، وہ 99 فی صد سے زیادہ ہے۔ اس لیے کسی فرد کے لیے سماجی اخلاقیات میں کوتاہی کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اس اصول کی اہمیت اسلام میں اتنی زیادہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ — جو شخص انسان کا معترف نہ ہو، وہ خدا کا معترف بھی نہیں ہوسکتا (من لم یشکر الناس، لم یشکر اللہ)۔

سوسائٹی صرف اُس قریبی مجموعۂ انسانیت کا نام نہیں ہے جہاں ایک فرد پیدا ہوتا ہے، بلکہ سوسائٹی ایک طویل سلسلۂ تاریخ کا نام ہے۔ سوسائٹی کا دائرہ، پہلے انسان (آدم) سے لے کر، آج کے انسان تک پھیلا ہوا ہے۔ اِس پورے مجموعۂ انسانیت نے اپنی لمبی تاریخ کے دوران جو کچھ کیا ہے، اس کو

تہذیب کا ارتقا کہا جاتا ہے۔ تہذیب کے اِس ارتقا میں ہر فرد اپنا حصہ پا رہا ہے۔ آج ایک فرد جس مہذب دنیا (civilized world) میں رہ رہا ہے، وہ دنیا ہمیشہ سے موجود نہ تھی۔ وہ پوری انسانیت کی لمبی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

ایک وقت تھا کہ انسان اپنے پیروں پر چلتا تھا، پھر لمبے تجربے کے بعد انسان نے پہیہ بنایا۔ اِس طرح، انسان کے لیے پاؤں پر چلنے کے بجائے گاڑی سے چلنے کا دور شروع ہوا۔ پھر انسان نے لمبے تجربے کے بعد کشتی بنائی۔ اِس طرح دریاؤں اور سمندروں کو بحفاظت پار کرنے کا دور شروع ہوا۔ پھر لمبے تجربے کے بعد انسان نے اسٹیم پاور دریافت کیا۔ اِس کے بعد ریلوے ٹرین اور اسٹیم شپ کا دور شروع ہوا۔ پھر انسان نے لمبے تجربے کے بعد کار بنائی اور انسان تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرنے کے دور میں پہنچا۔ پھر انسان نے لمبے تجربے کے بعد ہوائی جہاز بنایا۔ اِس طرح یہ ممکن ہو گیا کہ انسان فضا میں تیز رفتاری کے ساتھ اڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچے اور جنگل اور پہاڑ اور سمندر اور بستیاں کوئی بھی چیز اُس کے سفر میں رکاوٹ ثابت نہ ہوں۔

یہ انسانیت کی جدوجہد کے صرف ایک پہلو کی چھوٹی سی مثال ہے۔ اِس طرح پورا مجموعہ انسانیت ہزاروں سال تک مسلسل جدوجہد کرتا رہا، یہاں تک کہ لاکھوں کی تعداد میں زندگی کے بے شمار سامان وجود میں آئے، جن کے مجموعے کو تہذیب (civilization) کہا جاتا ہے۔ موجودہ تہذیب کو وجود میں لانے میں پورے مجموعۂ انسانیت کا حصہ ہے۔ ایک سُوئی (needle) سے لے کر ایک ترقی یافتہ شہر تک، ہر چیز میں براہِ راست طور پر پوری انسانیت کی مجموعی جدوجہد اور قربانی شامل ہے۔

یہی وہ تاریخی حقیقت ہے جو انسانی رسپانسبلٹی کی اخلاقی بنیاد ہے۔ جب ایک فرد اِس حقیقت کو دریافت کرتا ہے کہ آج وہ جس ترقی یافتہ دنیا میں رہ رہا ہے، اُس کو وجود میں لانے کے لیے پوری انسانیت اس میں شریک ہے، اِس معاملے میں وہ پوری انسانیت کا مقروض ہے۔ جب ایک شخص اِس تاریخی حقیقت کا اعتراف کر کے اس کے مطابق، زندگی گزارے تو اِسی کا نام سوسائٹی کے حق میں اپنی ذمے داری کو ادا کرنا ہے۔ گویا کہ انسانی رسپانسبلٹی ایک اعتبار سے، پوری نوعِ انسانی (mankind) کے

کنٹری بیوشن (contribution) کا اعتراف ہے، اور دوسرے اعتبار سے، وہ اپنے انفرادی دائرے میں اس کی محدود قیمت ادا کرنا ہے۔

انسانی ذمے داری کی اِسی نوعیت کی بنا پر قرآن میں اس کو انسان کی طرف سے انسان کو اس کے حقوق ادا کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یہ ہے: إن اللہ یأمرکم أن تؤدّوا الأمانات إلی أهلها:

God commands you to hand back your trusts to their rightful owners. (4: 58)

اسلام کے اِس تصور (concept) کے مطابق، ایک فرد جب انسانی سماج کے حق میں اپنی ذمے داریوں کو ادا کرتا ہے تو وہ دوسروں کو کچھ دیتا نہیں ہے، وہ صرف یہ کرتا ہے کہ دوسروں سے ملے ہوئے میں سے کچھ حصے کو وہ اُن کی طرف لوٹاتا ہے۔ یہ تصور ہر فرد کے اندر اپنی ذمے داری کو ادا کرنے کے لیے طاقت ور محرک (strong incentive) پیدا کرتا ہے، اتنا زیادہ طاقت ور محرک کہ اس سے زیادہ طاقت ور محرک اور کوئی نہیں۔

نیچر کی نسبت سے فرد کی ذمے داری

انسانی ذمے داری کا دوسرا پہلو وہ ہے جو نیچر سے تعلق رکھتا ہے۔ نیچر سے مراد پورا عالمِ مادیت (entire physical world) ہے۔ یہ عالم جس کے اندر انسان اپنے آپ کو پاتا ہے، وہ انسان کے لیے اتنا زیادہ موزوں ہے جیسے کہ وہ اُسی کے لیے بنایا گیا ہو۔ اِسی لیے ایک سائنس داں نے اس کو کسٹم میڈ ورلڈ (custom-made world) کہا ہے۔ اِس دنیا کے اندر انسان کی ضرورت کی تمام چیزیں نہایت متناسب انداز میں موجود ہیں۔ اِسی حقیقت کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وآتاکم من کل ما سألتموه:

God has given you all that you asked of Him. (14:34)

انھیں تمام چیزوں کے مجموعے کو لائف سپورٹ سسٹم (life support system) کہا جاتا ہے۔ لائف سپورٹ سسٹم کے بغیر موجودہ دنیا میں انسان کی زندگی ممکن ہی نہ ہوتی۔

ہماری یہ موافق دنیا اتفاقاً اِس طرح نہیں بن گئی ہے۔ اُس کو بنانے والے نے اُس کو بلا شبہہ شعوری منصوبے کے تحت اِس طرح بنایا ہے کہ وہ ہر پہلو سے عین ہماری ضرورتوں کے موافق ہے۔ اِس طرح کی ایک موافق دنیا ہم خود وجود میں نہیں لا سکتے تھے۔ یہ دنیا ہم کو خالق کی طرف سے انتہائی استثنائی طور پر بطور خصوصی عطیہ دی گئی ہے۔ قرآن میں موجودہ دنیا کے اِس پہلو کا ذکر کرتے ہوئے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ تم فطری حالت پر باقی رکھتے ہوئے اس کا استعمال کرو، تم اُس میں ہرگز کوئی بگاڑ پیدا نہ کرو۔ اِس سلسلے میں قرآن کی ایک آیت یہ ہے—ولا تفسدوا فی الأرض بعد إصلاحها:

Do not corrupt the land after it has been set in order (7: 85)

قرآن کی اِس آیت کے مطابق، ہماری دنیا ایک اصلاح یافتہ دنیا ہے۔ وہ پیشگی طور پر انسان کی ضرورتوں کے مطابق، بنائی گئی ہے۔ انسان کو یہ حق ہے کہ وہ اِس دنیا کو اپنی ضرورتوں کے لیے استعمال کرے، لیکن کسی انسان کو یا کسی انسانی مجموعے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دنیا کے فطری نظام کو بگاڑے۔ وہ دنیا کے فطری نظام میں کوئی ایسی تبدیلی پیدا کرے جس کے بعد وہ اگلی نسلوں کے لیے قابلِ استعمال نہ رہے۔ یہ انسان کی وہ ذمے داری ہے جو نیچر کے اعتبار سے، انسان کے اوپر عائد ہوتی ہے۔ اِس سلسلے میں قرآن میں یہ ہدایت دی گئی ہے—کلوا واشربوا ولا تسرفوا:

Eat and drink, but do not be wasteful (7: 31)

مثلاً انسان کو یہ حق ہے کہ وہ زمین میں واقع پانی کے ذخیرے کو استعمال کرے، لیکن اُس کو یہ حق نہیں کہ وہ پانی میں کسی قسم کی آلودگی (pollution) پیدا کر کے اس کو انسان کے لیے ناقابلِ استعمال بنا دے۔ انسان کو یہ حق ہے کہ وہ زمین کی سطح پر اُگے ہوئے درختوں کو استعمال کرے، لیکن اس کو یہ حق نہیں کہ وہ زمین کے درختوں کو کاٹ کر زمین کی ہریالی (greenery) کو ختم کر دے۔ انسان کو یہ حق ہے کہ وہ زمین کی زرخیزی کو زراعت کے لیے استعمال کرے، لیکن اس کو یہ حق نہیں کہ وہ زمین کے غلط استعمال سے اس کو ناقابلِ پیداوار بنا دے۔ انسان کو یہ حق ہے کہ وہ زمین کی فضا کو استعمال کرے، لیکن انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے کسی غیر فطری عمل کے ذریعے وہ خرابی (evil) پیدا کرے جس کو فضائی کثافت

کہاجاتا ہے۔ انسان کو یہ حق ہے کہ وہ یہاں اپنی انڈسٹری لگائے، مگر اس کو یہ حق نہیں کہ وہ یہاں ایسی انڈسٹری لگائے جو اوزون کے زندگی بخش غلاف (layer) کو ڈیمیج کردے، وغیرہ۔

نیچر انسان کے لیے ایک بے حد قیمتی تحفہ ہے جو انسان کو بالکل فری دیا گیا ہے، لیکن انسان اِس نیچر کا مالک نہیں، وہ اُس کا امین ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ نیچر کے بارے میں خالق کے منصوبے کو جانے اور وہ اس کو خالق کے منصوبے کے مطابق، استعمال کرے۔

خالق کا وہ منصوبہ کیا ہے، وہ یہ ہے کہ خالق نے نیچر کی تمام چیزوں کو انسانی خواہش کے مطابق (according to human greed) نہیں بنایا، بلکہ خالق نے نیچر کی تمام چیزوں کو انسانی ضرورت کے مطابق (according to human need) بنایا ہے۔ اِسی حقیقت کو قرآن میں اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے— إنّا كلّ شيءٍ خلقناه بقدر :

We have created everything in due measure (54: 49)

یہ تخلیقی منصوبہ انسان کے لیے لازم کرتا ہے کہ وہ ایک طرف، اپنی حقیقی ضرورتوں کا تعین کرے اور دوسری طرف، وہ نیچر کی چیزوں کو اُن کی تخلیقی نوعیت کے اعتبار سے جانے، پھر وہ اِن دو طرفہ تقاضوں کے مطابق، اپنی زندگی کی پلاننگ کرے۔ اِس کے برعکس، انسان کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی خواہش کی بنیاد پر نیچر کا اندھا دھند استعمال کرے، کیوں کہ ایسا کرنے سے نیچر کا متناسب نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

مطالعہ بتاتا ہے کہ انسان کی خواہشیں (desires) لامحدود ہیں۔ اِس کے برعکس، نیچر کی تمام چیزیں محدود ہیں۔ ایسی حالت میں انسان اگر خواہشوں (desires) کی بنیاد پر اپنا پلان بنائے، تو اس کا پلان خالق کے پلان کے مطابق نہ ہوگا۔ انسان اِس قسم کے ٹکراؤ کا تحمل نہیں کرسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کی مشین دو کاگ (cog) پر چل رہی ہے— ایک، ہیومن کاگ (human cog) اور دوسرا، ڈوائن کاگ (divine cog)۔ ڈوائن کاگ کی اپنی ایک مقرر رفتار (pace) ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے کاگ کو بھی اُسی رفتار پر چلائے جو ڈوائن کاگ کی رفتار ہے۔

یہ واضح ہے کہ ڈوائن کاگ طاقت ور (strong) ہے اور ہیومن کاگ کمزور (weak)۔ اگر انسان اپنے کاگ کی رفتار کو اپنی خواہش کے مطابق، چلانے لگے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ڈوائن کاگ تو اپنی جگہ باقی رہے گا، لیکن ہیومن کاگ یقینی طور پر ٹوٹ جائے گا۔ اِس کے نتیجے میں انسان کی زندگی ایسی تباہی سے دوچار ہوگی جس کی تلافی کسی بھی حال میں ممکن نہیں۔

خلاصۂ کلام

ہیومن رسپانسبلٹی کا مطلب ہے — ہیومن ڈیوٹی۔ حضرت مسیح نے کہا تھا:

Render therefore to Caesar the things that are Caesar's, and to God the things that are God's. (Luke 20: 25)

یہی بات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن الفاظ میں کہی ہے — أدّوا إليهم حقهم، وسلوا الله حقكم (صحيح البخاري: رقم الحديث: 7052):

Give to them what is due to them. And ask your dues from God.

یہ دونوں اقوال، فرد اور سوسائٹی کے درمیان صحیح تعلق کو بتاتے ہیں۔ فرد اور سوسائٹی کے درمیان صحت مند تعلق اُس وقت قائم ہوتا ہے جب کہ فرد کے اندر رسپانسبلٹی کی اسپرٹ پوری طرح زندہ ہو۔ جب ایسا ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فرد کا فوکس اپنی ذمے داریوں پر ہوگا۔ فرد یہ چاہے گا کہ سوسائٹی کا جو حق اُس کے اوپر آتا ہے، اس کو وہ پوری طرح ادا کرے۔ جہاں تک فرد کے اپنے حقوق کی بات ہے، وہ کسی مطالبے سے نہیں ملتے، بلکہ وہ خود اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے سے ملتے ہیں۔ یہی اسپرٹ آف رسپانسبلٹی اِس بات کی ضامن ہے کہ فرد اور سماج کے درمیان ٹکراؤ کی صورتِ حال نہ پیدا ہو۔ صحت مند سرگرمیوں کے درمیان دونوں کا ارتقا فطری انداز میں جاری رہے۔ (20 دسمبر 2011)

بنگلور میں مولانا وحید الدین خاں کی اردو، ہندی اور انگریزی کتابیں، قرآن مجید کے ترجمے، دعوتی لٹریچر اور ماہ نامہ الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:
Centre for Peace, Bangalore
Tel. 080-22239121, Mob. 09886243194
Email.: thecentreforpeace@gmail.com

جذباتی سیاست کا نقصان

1947 کے بعد کشمیر کی ریاست انڈیا اور پاکستان کے درمیان ایک نزاعی اشو بن گئی۔ اب بے شمار نقصانات کے بعد پاکستان نے اِس معاملے میں دانش مندانہ پالیسی اختیار کی ہے۔ پاکستانی حکومت نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ انڈیا کو موسٹ فیورڈ نیشن (Most-Favoured Nation) کا درجہ دے دیا جائے۔ اِس کی رپورٹ میڈیا میں آ چکی ہے (ملاحظہ ہو، ہندستان ٹائمس، 1 مارچ 2012، صفحہ 15)۔ اِس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ انڈیا نے پاکستان کو 1996 میں موسٹ فیورڈ نیشن کا درجہ دے دیا تھا۔ اِس کے جواب میں پاکستان کو بھی یہی کرنا چاہیے تھا، مگر پاکستانی لیڈروں نے ایسا کرنے میں بہت دیر کی۔ وہ ڈرتے تھے کہ کشمیر کے بارے میں حساس پاکستانی عوام اِس کے خلاف سخت ردعمل کا اظہار کریں گے۔

اِس واقعے میں لیڈرشپ کے لیے بہت بڑا سبق ہے۔ لیڈرشپ کو کبھی ایسا نہیں کرنا چاہئے کہ وہ کسی اِشو پر جذباتی انداز اختیار کرے، وہ اس کے بارے میں ہائی پروفائل میں بولنے لگے۔ اِس قسم کا طریقہ لیڈرشپ کے لیے ایک غیر دانش مندانہ طریقہ ہے، کیوں کہ عوام کو اگر ایک بار جذباتی تقریریں کر کے بھڑکا دیا جائے تو وہ حقیقت پسندانہ مزاج کھو دیتے ہیں۔ اِس کے بعد خواہ حالات کتنے ہی بگڑ جائیں، وہ یوٹرن (U Turn) لینے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اُن کا ذہن یہ بن جاتا ہے کہ — خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے، لیکن ہم اِس مسئلے پر مفاہمت نہیں کریں گے۔

اِس قسم کا مزاج کسی قوم کی ترقی کے لیے قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں جذباتی انداز کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اجتماعی زندگی نام ہے — اپنی سوچ اور فریقِ ثانی کی سوچ کے درمیان ایڈجسٹمنٹ تلاش کرنے کا۔ اجتماعی زندگی کے معاملات یک طرفہ بنیاد پر طے نہیں ہوتے، بلکہ وہ دوطرفہ بنیاد پر طے ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اجتماعی معاملات میں جذباتی سیاست کا طریقہ ایک سنگین رکاوٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اجتماعی زندگی کے معاملات یا تو فریقِ ثانی کی رعایت کے ذریعے حل ہوتے ہیں، یا وہ کبھی حل نہیں ہوتے۔

مسئلہ یا چیلنج

زندگی میں ہمیشہ ناموافق حالات پیش آتے ہیں۔ اِس طرح کے ناموافق حالات کا تجربہ ہر ایک کو ہوتا ہے، خواہ وہ عام آدمی ہو یا کوئی بڑی حیثیت والا آدمی۔ اِس میں کسی بھی شخص کا کوئی استثنا (exception) نہیں۔

ناموافق حالات اُسی طرح زندگی کا حصہ ہیں جس طرح بھوک اور پیاس زندگی کا حصہ ہیں۔ ناموافق صورت حال کو اگر مسئلہ (problem) کہا جائے تو اِس سے منفی ذہن بنے گا۔ آدمی مایوسی کی نفسیات کا شکار ہو جائے گا۔ وہ پیش آمدہ مسئلے کو ایک غیر مطلوب صورت حال سمجھے گا۔ وہ اس کے مقابلے میں، مثبت منصوبہ بندی نہ کر سکے گا۔

صحیح بات یہ ہے کہ مسئلے کو ایک چیلنج سمجھا جائے۔ مسئلہ کا لفظ اگر ایک منفی لفظ ہے تو چیلنج کا لفظ ایک مثبت لفظ۔ چیلنج کیا ہے، چیلنج ایک مشکل صورتِ حال ہے جو کسی آدمی کی استعداد کا امتحان ہوتی ہے:

Challenge: a difficult task that tests somebody's ability.

جب آپ کسی صورت حال کو چیلنج کی نظر سے دیکھیں تو آپ کے اندر مقابلے کا ذہن پیدا ہوگا۔ آپ کی ساری توجہ اِس پر لگ جائے گی کہ آپ پیش آمدہ صورتِ حال کو بے لاگ انداز سے دیکھیں اور اس کے مطابق، دانش مندانہ منصوبہ بندی کریں۔

یہ سوچ آپ کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کرے گی۔ اِس سے آپ کے اندر شکایت کے بجائے مقابلے کا ذہن پیدا ہوگا۔ ایسا نہیں ہوگا کہ آپ کسی کو پیش آمدہ صورتِ حال کا ذمّے دار قرار دے کر اس سے نفرت کرنے لگیں۔ آپ کسی دوسرے کی تخریب میں اپنا وقت ضائع نہیں کریں گے، بلکہ آپ مکمل طور پر اپنی تعمیر میں لگ جائیں گے۔ آپ ایسا نہیں کریں گے کہ کسی کو اپنا دشمن قرار دے کر اس کے خلاف تقریر و تحریر کے ہنگامے کھڑے کریں۔ آپ ایسے کسی معاملے کو فطرت کے نظام کے تحت پیش آنے والا واقعہ سمجھیں گے، نہ کہ کسی دشمن کی سازش کے تحت پیش آنے والا واقعہ۔

ایک سبق آموز واقعہ

حکیم اجمل خاں (وفات: 1927) نے دہلی میں ''ہندستانی دواخانہ'' قائم کیا تھا۔ اِس دواخانے میں ایک صاحب معمولی ملازم تھے۔ ان کی تنخواہ پندرہ روپئے ماہانہ تھی۔ اُن کا نام حافظ عبد المجید تھا۔ انھوں نے بعد کو ہندستانی دواخانہ چھوڑ دیا اور دواؤں کی ایک چھوٹی سی دکان کھولی۔ اس دکان کا نام ''ہمدرد دواخانہ'' تھا۔ ان کا انتقال 1922 میں ہوا جب کہ ان کی عمر صرف 40 سال تھی۔

حافظ عبد المجید صاحب کے دو بیٹے تھے۔ یہ وہی دو بیٹے ہیں جو بعد کو حکیم عبد الحمید (وفات: 1999) اور حکیم محمد سعید (1998) کے نام سے مشہور ہوئے۔ دونوں نے بعد کو غیر معمولی ترقی کی۔ دونوں نے ہمدرد ایمپائر اور ہمدرد یونی ورسٹی قائم کی۔ حکیم عبد الحمید نے دہلی میں اور حکیم محمد سعید نے کراچی (پاکستان) میں۔

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ ترقی کے لیے اصل چیز جو درکار ہے، وہ محنت ہے۔ عام طور پر لوگ ایسے آدمی کو خوش قسمت سمجھتے ہیں جو خوش حال گھرانے میں پیدا ہوا ہو، لیکن ایسے خوش قسمت لوگ کبھی کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دیتے۔ بڑا کارنامہ ہمیشہ اُن لوگوں نے انجام دیا ہے جو معمولی حالات میں پیدا ہوئے، جن کو پیدا ہوتے ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آسان حالات آدمی کی قوتِ عمل کو گھٹاتے ہیں اور مشکل حالات آدمی کی قوتِ عمل کو بڑھاتے ہیں — زیادہ خوش قسمت انسان وہ ہے جو مشکل حالات میں پیدا ہو، نہ کہ آسان حالات میں۔

مشکل حالات کا مثبت پہلو یہ ہے کہ اُس سے آدمی کے اندر عمل کا محرک (incentive) پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے اندر یہ زبردست خواہش جاگتی ہے کہ میں اپنے حالات کو بدلوں، میں اپنے 'نہیں' کو 'ہے' بناؤں، میں ایسا عمل کروں جس کے ذریعے یہ ہو کہ میرا مستقبل میرے حال سے بہتر ہو سکے۔

زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت محرکِ عمل کی ہے، اور محرک عمل ہمیشہ مشکل حالات میں پیدا ہوتا ہے، نہ کہ آسان حالات میں۔

سوال وجواب

میں نے آپ کی کتاب ''اسلام دورِ جدید کا خالق'' کا مطالعہ کیا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آج جو سائنسی اور ٹکنیکل ترقی ہورہی ہے، اس کا آغاز اسلام نے کیا ہے۔ اسلام سے پہلے فطرت کو مقدس سمجھنے کی وجہ سے اس کو تحقیق وریسرچ کا موضوع نہیں بنایا گیا۔ اسلام نے ساتویں صدی میں آکر اس تقدس کو ختم کیا اور فطرت کی تحقیق وتسخیر کا دروازہ کھولا۔ اس طرح انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ فطرت کی آزادانہ تحقیق کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ لیکن ایک دن میں ماحولیات پر ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس میں ماحولیات کے بگڑنے کی اہم وجہ فطرت کو ریسرچ وتحقیق کا موضوع بنانا بتایا گیا ہے:

At present we are not adhering to the old tradition properly. Hence man has become one of the factors for the present day environmental problems. The ancient people respected nature and also understood the value of nature. They worshipped the earth, fire, air, water and sky. (*Environmental Education, HS Ist year, TN Textbook corporation*, 2009, p. 3)

آپ نے جو بتایا، وہ بالکل حقیقت ہے، اور اس کتاب میں ماحولیاتی مسائل کی جو وجہ بتائی جارہی ہے وہ بھی بظاہر درست معلوم ہوتی ہے۔ براہِ کرم، میرے کنفیوژن کو دور کریں۔ (فرہاد احمد سلفی، بنگلور)

جواب

یہ صحیح ہے کہ موجودہ زمانے میں ماحولیاتی مسائل (ecological problem) پیدا ہوئے ہیں، مگر اِن مسائل کا سبب فطرت کا مطالعہ نہیں ہے، بلکہ وہ چیز ہے جس کو موجودہ زمانے میں کنزیومرزم (consumerism) کہا جاتا ہے۔ اور دونوں کے درمیان بنیادی فرق ہے۔

کنزیومر گڈس (consumer goods) سے مراد اصلاً اشیاءِ صرف ہیں، لیکن موجودہ زمانے میں نئی ٹکنالوجی کے تحت جو صنعتیں قائم ہوئیں، اُن کی ترقی کے لیے یہ نظریہ وضع کیا گیا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ اشیاءِ صرف استعمال کریں، تاکہ صنعت کو زیادہ سے زیادہ ترقی حاصل ہو:

Consumerism: advocacy of a high rate of consumption and spending as a basis for a sound economy.

اشیاءِ صَرف (consumer goods) میں اضافے کے لیے بہت بڑے پیمانے پر ایک نیا نظام وضع ہوا۔ یہ بینکوں سے اندھادھند قرض کا نظام تھا۔ لوگوں کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ نقد خریداری کا انتظار نہ کریں، بلکہ بینکوں سے سودی قرض لے کر وہ حسب خواہش جو چیز چاہیں، حاصل کریں— اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم زمانے کا مبنی برضرورت سماج (need-based society) ختم ہوگیا اور اس کی جگہ مبنی برحرص سماج (greed-based society) وجود میں آیا۔

مگر یہ سادہ معاملہ نہ تھا۔ اِس کے نتیجے میں وہ بھیانک مسئلہ پیدا ہوا جس کو ضرورت سے زیادہ کاربن اخراج (carbon emission) کہا جاتا ہے۔ جدید صنعتی دور سے پہلے بھی کاربن کا اخراج ہوتا تھا، لیکن وہ فضا کے اندر جذب ہوجاتا تھا اور انسان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنتا تھا۔ لیکن جدید صنعتی نظام اور بڑھے ہوئے کنزیومرزم کی بنا پر وہ مصنوعی مسئلہ پیدا ہوا ہے جس کو گرین ہاؤس گیس (greenhouse gas) کہا جاتا ہے، یعنی فضا میں مضر گیس کا نقصان دہ حد تک بڑھ جانا:

The problem of the gradual rise in temperature of the earth's atmosphere, caused by an increase of gases, such as carbon dioxide in the air surrounding the earth, which trap the heat of the sun.

فطرت کو تحقیق کا موضوع بنانا ایک خالص علمی اور نظری کام تھا۔ یہ کام خواہ کتنا ہی زیادہ کیا جائے، اس سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا، مگر جدید صنعت کے ظہور کے بعد معیارِ زندگی میں مصنوعی اضافہ اور اشیاءِ صرف کے اندھادھند استعمال کے نتیجے میں وہ مسائل پیدا ہوئے جن کو ماحولیاتی مسائل کہا جاتا ہے۔ اِس مسئلے کا حل یہ ہے کہ فطرت کی تحقیق کو لامحدود طور پر جاری رکھتے ہوئے صنعتی سرگرمیوں پر کنٹرول قائم کیا جائے۔

سوال

الرسالہ مشن کو سمجھنے کے لیے اردو زبان کی اہمیت کیا ہے، اس کو واضح فرمائیں۔ (عظیم الدین، لکھنؤ)

جواب

ہمارے دعوتی مشن سے جو لوگ جڑے ہوئے ہیں، اُن لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو

انگریزی کتابوں یا ٹی وی اور نیٹ پر میری تقریروں کے ذریعے ہمارے دعوتی مشن سے متعارف ہوئی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ الرسالہ مشن کو پوری طرح جاننے کے لیے ماہ نامہ الرسالہ کا مسلسل مطالعہ بہت ضروری ہے۔ جو لوگ اردو جانتے ہیں، ان کے لیے ماہ نامہ الرسالہ ایک طاقت ور ذہنی غذا کی حیثیت رکھتا ہے، وہ ان کے لیے مسلسل طور پر ذہنی ارتقا کا ذریعہ ہے۔

افراد کے پاس یہ عذر ہے کہ ہم اردو نہیں جانتے یا اردو کم جانتے ہیں، مگر یہ کوئی عذر نہیں۔ اصل ضرورت شوق کی ہے۔ اگر شوق ہو تو اردو زبان سیکھنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ مثلاً مہاراشٹر یہ (ناندیڑ) کے کشن جیونت راؤ پاٹل کے ایک دوست عثمان چاؤش (وفات: 2006) تھے۔ انھوں نے مسٹر کشن پاٹل کو الرسالہ کے کچھ مضامین پڑھ کر سنائے۔ اِن مضامین کو سن کر کشن راؤ پاٹل کے اندر اتنا زیادہ شوق پیدا ہوا کہ انھوں نے مسلسل محنت کر کے اردو زبان سیکھ ڈالی۔ اب وہ الرسالہ کے مسلسل قاری ہیں۔

تاریخ میں اِس نوعیت کی بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً مولانا عنایت رسول چریّا کوٹی (وفات:1902) نے بائبل کو عبرانی زبان میں پڑھنے کے لیے عبرانی زبان سیکھی۔ شری آروبندو گھوش (وفات: 1950) نے رابندر ناتھ ٹیگور (وفات: 1941) کی کتاب ''گیتا نجلی'' کو بنگلہ زبان میں پڑھنے کے لیے بنگلہ زبان سیکھی۔ آج کل لوگ جاب کے لیے کثرت سے انگریزی فرانسیسی اور جرمن زبان سیکھ رہے ہیں، وغیرہ۔

Rahnuma-e-Hayat
by
Maulana Wahiduddin Khan
ETV Urdu
Monday, Tuesday, Wednesday, Thursday 6.30 am

ISLAM FOR KIDS
by
Saniyasnain Khan
ETV Urdu
Sunday 9.00 am

خبر نامہ اسلامی مرکز — 216

1 - جنوری 2012 میں برطانیہ سے 610 صفحات کی ایک کتاب چھپی ہے۔ اس کا نام یہ ہے: Why Peace۔ اس کو ایک امریکی مصنف ڈاکٹر مارک گٹ مین (Marc Guttman) نے ایڈٹ کیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں صدر اسلامی مرکز کا ایک مقالہ حسب ذیل عنوان سے شامل کیا ہے:

Peace versus Interventionism (p. 454)

2- جنوری 2012 کے پہلے ہفتے میں بیڑ مہاراشٹریہ میں مراٹھا سیوا سنگ کا سہ روزہ اجلاس ہوا۔ یہاں حلقہ الرسالہ مہاراشٹریہ سے وابستہ ساتھیوں نے مسٹر محمد الطاف انعام دار (الطاف بک ڈپو، بیڑ) کے تعاون سے ایک بک اسٹال لگایا۔ یہاں سے بڑے پیمانے پر برادرانِ وطن نے قرآن کے ہندی، انگریزی اور مراٹھی تراجم حاصل کیے۔ وزٹرس کو مختلف زبانوں میں دعوتی پمفلٹس بطور ہدیہ دیے گئے۔

3- امریکا اور ترکی کے اسکالرز کا ایک وفد 2 فروری 2012 کو اسلامی مرکز میں آیا۔ اِس موقع پر صدر اسلامی مرکز نے اسلام اور امن عالم کے موضوع پر انگریزی زبان میں ایک تقریر کی۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ وفد کے اراکین کو پرافٹ آف پیس اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

4- سی پی ایس کے آڈی ٹوریم (نظام الدین ویسٹ، نئی دہلی) میں 4 فروری 2012 کو 'دعوہ ایمپائر' کے موضوع پر صدر اسلامی مرکز نے سی پی ایس ٹیم کو خصوصی طور پر خطاب کیا۔ یہ خطاب سی پی ایس کے ویب سائٹ (www.cpsglobal.org) پر دیکھا جا سکتا ہے۔

5- لبرٹی انسٹی ٹیوٹ (نئی دہلی) کی طرف سے 14 فروری 2012 کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر (نئی دہلی) میں ایک پینل ڈسکشن تھا۔ اس میں انڈیا اور انڈیا سے باہر کے معروف صحافی اور مصنف شریک تھے۔ اس کا موضوع یہ تھا:

Freedom to Express

اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس ڈسکشن میں شرکت کی اور انگریزی زبان میں موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کی۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ حاضرین کو پرافٹ آف پیس اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

6- نئی دہلی کے ادارہ انٹر فیتھ کولیشن فار پیس (ICP) اور اسلامک اسٹڈیز اسوسی ایشن (ISA) کی طرف سے 11 فروری 2012 کو انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر کے کانفرنس ہال میں ایک پروگرام ہوا۔ اِس پروگرام کا موضوع یہ تھا:

Perspectives on Peacemaking: Muslims and Christians in Constructive conversation.

اِس میں دو اسپیکر تھے — صدر اسلامی مرکز اور امریکن پروفیسر لیفیبر (Fr. Leo D. Lefebure)۔ یہاں صدر اسلامی مرکز نے موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کی۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ یہ پروگرام انگریزی زبان میں

تھا۔ آخر میں حاضرین کو پرافٹ آف پیس اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

7- بلجیم کی ایمبسی (نئی دہلی) کے دو ڈپلومیٹ نے 21 فروری 2012 کو صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کی:

Antoine Evrard
Minister Councellor, Embassy of the Kingdom of Belgium

Jochen Anthierens
First Secretary, Embassy of the Kingdom of Belgium

انھوں نے ہندستانی مسلمانوں کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی۔ اُن کا عام تصور یہ تھا کہ ہندستان کے مسلمان یہاں مظلومیت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ یہاں امتیاز (discrimination) برتا جارہا ہے۔ فرقہ وارانہ فساد میں مسلمان مارے جاتے ہیں۔ اُن کو سرکاری سروس نہیں دی جاتی، وغیرہ۔ جواب میں بتایا گیا کہ یہ صرف ایک غلط فہمی ہے۔ اِس کا سبب سلیکٹیو رپورٹنگ (selective reporting) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندستان کے مسلمان ہر اعتبار سے یہاں 57 مسلم ملکوں سے بھی زیادہ بہتر حالت میں ہیں۔ یہ گفتگو انگریزی زبان میں تھی۔

8- نئی دہلی کے انڈیا اسلامک کلچرل سنٹر کے آڈیٹوریم میں 22 فروری 2012 کو ادارہ منہاج القرآن (گجرات) کی طرف سے ایک پروگرام ہوا۔ اِس میں ڈاکٹر طاہر القادری (مقیم کینڈا) نے شرکت کی۔ اِس موقع پر سی پی ایس کے ممبران نے یہاں حاضرین کو دعوتی لٹریچر دیا۔ اِسی طرح ڈاکٹر طاہر القادری کو صدر اسلامی مرکز کی اردو اور انگریزی کتابوں کا ایک منتخب سیٹ دیا گیا۔

9- اورنگ آباد (بہار) میں 20 فروری 2012 کو نیشنل ہاکر فیڈریشن (NHF) کی طرف سے ایک پروگرام ہوا۔ اِس میں مقامی لوگوں کے علاوہ، انڈیا کے مختلف مقامات سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ شریک ہوئے۔ الرسالہ مشن سے وابستہ مسٹر ابوالحکم محمد دانیال اپنے ساتھیوں کے ساتھ اِس پروگرام میں شریک ہوئے۔ یہاں لوگوں کو اردو، ہندی، انگریزی میں دعوتی لٹریچر کے علاوہ قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔ اِسی طرح 27-26 فروری 2012 کو مذکورہ ساتھیوں نے پٹنہ ہولی فیملی ہاسپٹل میں جاکر وہاں لوگوں کے ساتھ انٹریکشن کیا اور ان کو مطالعے کے لیے دعوتی لٹریچر دیا۔

10- جیک ہیون (Jeik Hyun MA) 22 فروری 2012 کو صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کے لیے آئے۔ وہ ہوائی (Hawai) کے ایسٹ ویسٹ سنٹر کے ایشین پیسفک پروگرام (APLP) کے تحت، مختلف مذاہب میں امن کے تصور کے موضوع پر ریسرچ کررہے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے اسلام کے نقطہ نظر کو سمجھنے کے لیے صدر اسلامی مرکز کا ایک تفصیلی انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو انگریزی زبان میں تھا۔

11- نئی دہلی کے پرگتی میدان میں 25 فروری تا 4 مارچ 2012 کے درمیان ورلڈ بک فئر تھا۔ اِس میں گڈورڈ بکس نے اپنے دو اسٹال لگائے۔ اِس موقع پر وزٹرس کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی پمفلٹس بطور ہدیہ دیے گئے۔

12- پٹنہ (بہار) میں 26-15 مارچ 2012 کے درمیان ایک بک فئر (Book Fair) ہوا۔ یہاں پٹنہ کے

سنٹر فار پیس کی طرف سے ایک دعوتی اسٹال لگایا گیا۔ یہاں بہار اور جھارکھنڈ ٹیم کے افراد — مسٹر محمد دانیال، ڈاکٹر ظہیر، ڈاکٹر ضاء الدین اور مسٹر انور امام غزالی اور ان کی ٹیم کے ساتھیوں نے اپنا بھرپور تعاون دیا۔ یہاں انٹریکشن کے دوران لوگوں کو القرآن مشن (Al-Quran Mission) سے متعارف کیا گیا اور ان کو بطور ہدیہ دعوتی پمفلٹس دیے گئے۔ اسی طرح 18 مارچ 2012 کو داتا پور (پٹنہ، بہار) میں ایک تقریب نکاح میں سنٹر فار پیس (بہار و جھارکھنڈ) کی طرف سے ایک اسٹال لگایا گیا۔ یہاں لوگوں کو قرآن کے تراجم اور دعوتی پمفلٹس بطور ہدیہ دیے گئے۔

13 - ٹورنٹو (کینڈا) کے سینٹ مائیکل ہاسپٹل (St. Michael's Hospital) میں 27 فروری 2012 کو سی پی ایس (نئی دہلی) کی طرف سے انگریزی ترجمہ قرآن کے نسخے بھیجے گئے۔ یہ دعوتی میٹریل ہاسپٹل میں زیر علاج افراد اور اسٹاف کے لوگوں کو بطور ہدیہ دیا گیا۔ انھوں نے اس کو بخوشی قبول کیا۔

14 - یکم مارچ 2012 کو صدر اسلامی مرکز نے سی پی ایس کی بنگلور ٹیم کے لیے ایک خصوصی ٹیلی فونک خطاب کیا۔ بعد کو سوال و جواب کا پروگرام ہوا۔ خطاب کا موضوع تھا: داعی کی ذمے داریاں۔

15 - انڈیا اور انڈیا کے باہر سی پی ایس کے تحت بڑے پیمانے پر دعوتی کام ہو رہا ہے۔ ماہ نامہ الرسالہ میں اِس دعوتی کام کی صرف جزئی رپورٹ شائع ہوتی ہے۔ مختلف مقامات پر ہمارے ساتھی پروگراموں میں شرکت کرتے ہیں اور وہاں انٹریکشن کے دوران وہ لوگوں کو دعوتی لٹریچر اور قرآن کا ترجمہ برائے مطالعہ دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں سہارن پور (یو پی) کے حلقۃ الرسالہ کے تحت جاری دعوتی سرگرمیوں کی ایک منتخب رپورٹ یہاں درج کی جاتی ہے:

- درونا چاریہ کوچنگ انسٹی ٹیوٹ میں 12 فروری 2012 کو سائنس کا مپٹیشن کا ایک پروگرام ہوا۔ اس کی دعوت پر ڈاکٹر محمد اسلم خان نے بطور چیف گیسٹ اس میں شرکت کی اور یہاں طلبا اور اساتذہ کو خطاب کیا۔ اِس موقع پر حاضرین کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔
- سہارن پور کی ٹیم نے 14 فروری 2012 کو کرنال گرلس کالج اور امبالا کالج کا دورہ کیا۔ اِس موقع پر انھوں نے وہاں کے طلبا اور اساتذہ نیز وہاں کے مشہور مقامی اشخاص سے دعوتی ملاقات کی۔ مثلاً مان سنگھ ایڈوکیٹ، وغیرہ۔ اِس موقع پر کرنال گرلس کالج کی پرنسپل ڈاکٹر موہنی کو صدر اسلامی مرکز کی کتابیں دی گئیں۔
- مولانا سلمان حسینی ندوی نے 2 مارچ 2012 کو سہارن پور کا دورہ کیا۔ یہاں ڈاکٹر محمد اسلم خان نے مولانا سلمان حسینی کی دعوت پر مدرسہ مظاہر العلوم کے باہر سٹی گیٹ ہاؤس میں ان سے ملاقات کی۔ اور ان کو صدر اسلامی مرکز کی کتابیں بطور ہدیہ پیش کیں۔ یہاں مظاہر العلوم کے طلبا اور اساتذہ کو بھی دعوتی لٹریچر دیا گیا۔
- سوامی امر پال سنگھ کی دعوت پر سہارن پور ٹیم کے ساتھیوں نے 9 مارچ 2012 کو گنگوہ اور ناگوڑ کے مختلف پروگرام میں شرکت کی۔ یہاں انٹر فیتھ کے موضوع پر ایک خصوصی پروگرام ہوا۔ جس میں ہمارے ساتھیوں کے علاوہ مقامی ہندوؤں نے بھی شرکت کی اور سی پی ایس کی انٹر فیتھ ایکٹوٹی کو اپنا تعاون دینے کا وعدہ کیا۔

- سہارن پور کے قدیم چرچ سینٹ تھامس (St. Thomas) میں 29مارچ 2012 کو ایک آل انڈیا پروگرام ہوا۔ یہاں جیون جیوتی ہال وکاس سنٹر کا افتتاح تھا۔ اس کی دعوت پر ہمارے ساتھیوں نے اس میں شرکت کی۔ یہ ایک بڑا پروگرام تھا۔ اِس پروگرام میں انڈیا کے مختلف مقامات کے چرچ کے نمائندے شریک تھے۔ سہارن پور چرچ کے فادر ڈینئل نے اپنی تقریر میں کہا کہ سی پی ایس کا لٹریچر امن کی اشاعت کے لیے بنیادی فکری مواد کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ یہاں حاضرین کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔
- سہارن پور کے پیس ہال میں 25مارچ 2012 کو ایک دعوہ میٹ تھی۔ اِس میں جناب طارق عبداللہ رام پوری، گنگوہ گروکل کے سوامی امر پال سنگھ آریہ اور ڈاکٹر انور جمال دیوبندی کے علاوہ، ندوۃ العلما، لکھنؤ اور دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم کے مختلف علما نے شرکت کی۔ اِس موقع پر حاضرین کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

16- میرٹھ (یوپی) کے پی پی ہال (آبولین، کینٹ) میں 11مارچ 2012 کو قرآن کے موضوع پر ایک کانفرنس ہوئی۔ اِس موقع پر میرٹھ کے حلقۃ الرسالہ کے ساتھیوں مولانا محمد عرفان قاسمی، ڈاکٹر ساجد صدیقی، وغیرہ نے بڑے پیمانے پر قرآن کا اردو، ہندی اور انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر حاضرین کو بطور ہدیہ پیش کیا۔

17- نئی دہلی کی میڈیا کمپنی (Agnus Dei) کی نمائندہ مز گریما تیواری نے 19مارچ 2012 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو انگریزی زبان میں تھا۔ اس کا موضوع یہ تھا:

Islam and Spirituality

18- پنگلوَن بکس، انڈیا کی 25ویں سال گرہ کے موقع پر نئی دہلی کے انڈیا ہبی ٹیٹ سنٹر میں 25مارچ 2012 کو ایک آل انڈیا پروگرام ہوا۔ یہاں سی پی ایس (نئی دہلی) کی طرف سے حاضرین کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

19- بنگلہ دیش کے مشہور مصنف اور صحافی مسٹر شہریار کبیر (Shahriar Kabir) نے 28مارچ 2012 کو مسلم ملٹنسی کے موضوع پر ایک ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ پروگرام انگریزی زبان میں تھا۔ مسٹر شہریار کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

20- اپریل 2012 کے دوسرے ہفتے میں مولانا محمد ذکوان ندوی نے لکھنؤ کا سفر کیا۔ وہ اپنے ساتھ دعوتی لٹریچر خرید کر لے گئے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو دعوتی لٹریچر دیا، خاص طور پر علما کو ''کتاب معرفت'' بطور ہدیہ پیش کی۔

21- صدر اسلامی مرکز کے مضامین اردو اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں۔ اِس سلسلے میں 10اپریل 2012 کو روزنامہ راشٹریہ سہارا میں ایک مفصل مضمون ''حاکمانہ ماڈل، دعوتی ماڈل'' شائع ہوا۔ اِسی طرح صدر اسلامی مرکز اور سی پی ایس (نئی دہلی) کے ممبران کے مضامین انگریزی اخبارات ٹائمس آف انڈیا، وغیرہ میں برابر شائع ہو رہے ہیں۔ یہ مضامین سی پی ایس کے ویب سائٹ (www.cpsglobal.org) پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

22- استنبول (ترکی) کے ادارہ سلام ورلڈ (Salam World) کی ٹیم نے 11اپریل 2012 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو اسلام اور امنِ عالم کے موضوع پر تھا۔ یہ انٹرویو انگریزی زبان میں تھا۔

23- ڈی او ایس سوسائٹی (Delhi Optholmological Society) کی طرف سے نئی دہلی کے ہوٹل سمراٹ اشوک (چنکیا پوری) میں 6-8 اپریل 2012 کو ایک آل انڈیا کانفرنس ہوئی۔ اِس موقع پر سی پی ایس (نئی دہلی) کی طرف سے کانفرنس میں ایک ہزار سے زیادہ ڈاکٹروں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

24- ترکی ٹی وی کے نمائندہ مسٹر عثمان انالن کی ٹیم نے 18 اپریل 2012 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ اس انٹرویو کا موضوع یہ تھا— اسلام اور عصر حاضر۔ یہ انٹرویو انگریزی زبان میں تھا۔ سوالات کے دوران موضوع کی وضاحت کی گئی۔ یہ انٹرویو ترکی میں نشر کیا جائے گا۔

25- لندن (Earl Court) میں 18-16 اپریل 2012 کو لندن بک فئر ہوا۔ اِس موقع پر تحریک ترسیل قرآن (نیویارک) اور گڈورڈ بکس (نئی دہلی) کے تعاون سے ورڈز کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

26- قرآن کے انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر کے متعلق قارئین کے چند تاثرات ملاحظہ ہوں:

- Dawah work and the Al-Risala Mission have successfully been started here in Kolkata. Copies of the Quran and other dawah literature were distributed at the International Book Fair in Kolkata. The distribution of literature was also done in Ghazipur, (U.P) and Vaishali (Bihar). People, particularly the non-Muslims showed great interest. Our members here are also doing this work on a one-to-one basis. We hope, it will yield results, Insha Allah. A friend, Md. Aslam Ansari, who is an employee at the Indian Railways, gave a copy of the Quran and some Hindi literature to one of his senior colleagues, Mr. Baldeo Singh Randhar, Chief Office Superintendent (Mechanical Diesel). He is very popular in the office for his jovial and humorous attitude. But after going through the literature he has become extremely serious, to the surprise of his colleagues. They even asked our friend as to what he had given him that had brought about such tremendous change in a person like him. (Mohammed Abdullah, Kolkata Team)
- I am over 90. I hail from Kashmir and am settled in Gurgaon. The thought of taking the liberty of writing to you came to my mind immediately after I came across your booklet Peace in Kashmir, which I read on your website. I could not help rating it as the first realistic version of the Kashmir dispute. It is indeed thought-provoking. (Muhammad Amin Chishti, Gurgaon, Haryana)
- I would like to express my sincere gratitude to Maulana Wahiduddin Khan, for delivering the keynote address and participating in the discussion held at the Liberty Institute on the topic, Freedom to Express.

His clear thinking, I am sure, cleared a lot of misconceptions which some people may have had about Islam. Almost everyone I spoke to at the end acknowledged that they were most impressed by Maulana's sincerity and knowledge. (Barun Mitra, Liberty Institute, New Delhi)

- I am a Chaplain in a prison in the United States. The Center for Peace and Spirituality in Bensalem, Philadelphia, has sent us a box of paperback translations of the Quran by Maulana Wahiduddin Khan, and a box of study booklets by Maulana W. Khan. Thank you very much for these generous and helpful donations. The inmates in this facility will benefit greatly by your contribution. (Richard Tinker, Chaplain, Oklahoma, USA)
- Brother, there is a great need for copies of the Quran in Ghana. Many of these requests come from non-Muslims or new Muslims. We have sent this list to individuals and organizations that have helped Voice of Islam provide such a service to those in need in Ghana. We wish to thank you for your efforts and support in our humble efforts and encourage you to continue your support in the future. (Mohammad Thompson, Voice of Islam Trust, Auckland, New Zealand)

27- نظام الدین ویسٹ مارکیٹ (نئی دہلی) کے کمیونٹی سنٹر میں 24 اپریل 2012 کو مسٹر وجے ستپال (52 سال) کے انتقال پر ایک تعزیتی پروگرام (اٹھالا) ہوا۔ اِس موقع پر حاضرین کو دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

28- یو جی سی (UGC) اور سروجنی نائڈو سنٹر فار ومنس اسٹڈیز (SNCWS) کے تعاون سے 24 اپریل 2012 کو جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی) میں ایک پروگرام ہوا۔ اس کا موضوع یہ تھا:

Capacity Building Workshop of Women Managers in Higher Education.

اس میں خصوصاً اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو اور کرسچن خواتین نے شرکت کی۔ اِس پروگرام کا آغاز سی پی ایس (نئی دہلی) کی ممبر مز عائشہ نے قرآن کی تلاوت سے کیا۔ اس کے بعد مز سعدیہ خان نے ان آیات کا انگریزی ترجمہ پڑھا۔ قرآن کے ترجمہ اور تلاوت کو سن کر نان مسلم شرکا نے اپنے گہرے تاثرات کا اظہار کیا۔ مثلاً سروجنی نائڈو سنٹر کی ڈائریکٹر ڈاکٹر مز بلبل دھر نے کہا کہ قرآن کو سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اسی طرح پروفیسر منی ایس تھامس (PIO) نے کہا:

The recitation of the Quran was mind boggling. It stirred our souls.

اِس موقع پر حاضرین کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔ ہمارے ساتھی اِس تجربے سے فائدہ اٹھائیں اور حسب موقع وہ قرآن کے منتخب حصے کی تلاوت اور ترجمہ سنانے کے بعد لوگوں کو قرآن کا ترجمہ دیں۔

29- کشمیر کے مختلف مقامات پر ہمارے ساتھی بڑے پیمانے پر وہاں کے نان مسلم ٹورسٹس (tourists) اور مقامی لوگوں کے درمیان دعوت کا کام کر رہے ہیں۔ اِس سلسلے میں یہ لوگ وہاں کی انڈین آرمی اور دیگر اعلیٰ سرکاری

انسران تک دعوتی پیغام پہنچا رہے ہیں۔ یہ لوگ کشمیر کے مختلف سیاحتی مقامات مثلاً پارک، وغیرہ میں جا کر انٹریکشن کے دوران لوگوں کو قرآن کا ترجمہ اور دعوتی لٹریچر برائے مطالعہ دیتے ہیں۔ مثلاً کشمیر یونی ورسٹی میں اردو پمفلٹ ''شاہ ہمدان مشن'' کی ایک ہزار کاپیاں طلبا اور اساتذہ کو دی گئیں۔ اسی طرح جنرل حسنین کو ''صبح کشمیر'' کا خصوصی شمارہ دیا گیا۔ اس کو انھوں نے خوشی کے ساتھ لیا اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

30- مسٹر ہارون شیخ (ممبئی) کے تعاون سے گھانا (مغربی افریقہ) میں ایک دعوتی ٹیم تیار ہوگئی ہے۔ یہ لوگ افریقہ میں بڑے پیمانے پر قرآن کا انگریزی ترجمہ پہنچا رہے ہیں۔ دعوتی مقصد کے لیے رابطہ قائم کریں:

Mr. Siraj, Tel. +23326566740

Mr. Teslim Braimah, Tel. +233243720702

31- مسٹر خرم قریشی کے تعاون سے انڈیا اور انڈیا سے باہر کے ملکوں میں الرسالہ کے لوگ منظم ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ اپنے اپنے مقام پر ہفتہ وار یا ماہانہ میٹنگ کرتے ہیں اور اپنے علاقے میں دعوت کے کام کو منظم کرتے ہیں۔

32- برمنگھم (برطانیہ) میں مسٹر شمشاد محمد خان کے تعاون سے اُن کے ادارہ آئی پی سی آئی (IPCI) کے تحت اسلامک ایگزیبیشن کا ایک مستقل پروگرام جاری ہے۔ یہ ایگزیبیشن موبائل اور پرمانٹ دونوں طریقے پر ہو رہی ہے۔ اس کے تحت برطانیہ میں بڑے پیمانے پر وہاں کے مختلف طبقوں میں اسلام کے تعارف کا پروگرام کیا جاتا ہے۔ ادارے کی طرف سے زائرین کو صدر اسلامی مرکز کا انگریزی ترجمہ قرآن بطور ہدیہ پیش کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

www.islamic-exhibition.org

33- امریکا کے لیے صدر اسلامی مرکز کے ٹیلی فونی خطاب کا سلسلہ جاری ہے۔ موضوعات مع تاریخ درج ہیں:

Feb 19	*Islam Ki Surbulandi* (Ascendency of Islam)
March 16	Philosophy, Religion and Science
April 1	Importance of Sincerity
April 15	The Concept of *Tawassum* in Islam

34- ایک خط: 11 مارچ 2012 کو آپ کا ویکلی لکچر بذریعہ انٹرنٹ سن کر فارغ ہوا تو میں بیٹھا ہوا سوچ میں گم تھا اور اللہ سے سچی ہدایت کی دعائیں کر رہا تھا۔ اچانک دعا جیسی کیفیت ہونے لگی، چناں چہ میں نے بہت سی دعائیں کیں۔ اُس وقت ایک عجیب دعا میرے ذہن میں آئی۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں اس قسم کی دعا کبھی نہیں کی تھی، اور نہ ایسا کبھی سوچا تھا۔ میں اللہ سے اس کی معرفت کے لئے دعا کر رہا تھا کہ میں نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ اے خدا، میں ایک کمزور انسان ہوں، میری کچھ بھی حیثیت نہیں ہے۔ میں ایک عاجز انسان ہوں جو کسی بھی چیز کے قابل نہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ میری ماں میری اس حیثیت کے باوجود ایسا نہیں کرے گی کہ وہ مجھے اکیلا چھوڑ دے، وہ مجھے پریشان حال دیکھے پھر بھی وہ انجان بنی رہے۔ میری ماں مجھ کو اپنے سینے سے لگا لے گی۔ یہ

ایک ماں کا حال ہے۔ پھر میں نے خدا سے کہا کہ بے شک، میں تیری معرفت کے لائق انسان نہیں، میرے پاس وہ اہلیت نہیں جو تیری معرفت کے لائق ہو۔ لیکن ایک ماں کا یہ حال ہوتا ہے تو، جو ستر ماں سے زیادہ محبت کرتا ہے، کیا تو مجھے اپنی معرفت سے نہیں نوازے گا۔ کیا تو مجھے صرف اس لئے اپنی معرفت سے محروم رکھے گا کہ میں اس لائق نہیں۔ میرا دل یہ کہہ رہا تھا کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ یہ سوچ سوچ کر میں رو رہا تھا اور اللہ کی معرفت کے لئے دعا کر رہا تھا۔ یہ سلسلہ تقریباً دس منٹ تک جاری رہا۔ اس وقت میں نے اللہ سے اور بھی دعائیں مانگی۔ ایک دعا یہ تھی کہ اے اللہ، الرسالہ مشن خالص تیری دریافت پر کھڑا ہوا ہے۔ کیا تو اس کی حفاظت نہیں کرے گا۔ پھر میں نے کہا کہ اے اللہ، سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اگر تو انھیں سمجھ دے تو لوگ سمجھ جائیں گے۔ اے اللہ، تو ان سب لوگوں کو ہدایت عطا فرما دے جو آج تیرے مشن کے مخالف بنے ہوئے ہیں۔ (مولانا عبدالباسط عمری، قطر)

ماہ نامہ الرسالہ کا انگریزی ایڈیشن حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں:

The Spiritual Message
101, Prathemesh Apartment, Azad Road, Gundavli
Andheri (East), Mumbai-400 069 (India)
Tel.: 022-42214700, Fax: 022-28236323
Email: spiritual.msg@gmail.com

چمپارن (بہار) میں ماہ نامہ الرسالہ اور مطبوعات الرسالہ حسب ذیل پتہ پر دستیاب ہیں:

Kitab Manzil
Jama Masjid, Main Road, Motihari
East Champaran-845401, Bihar
Mob. 09973360552

کلکتہ میں حلقہ الرسالہ سے وابستہ افراد کی ماہانہ میٹنگ ہر ماہ کے آخری سنیچر کو ہوتی ہے۔
رابطہ کے لیے ملاحظہ ہو:
Mr. Abdullah: 09831345685,
Imam Shafique Qasmi: 09903708808

صدر اسلامی مرکز کے اردو اور انگریزی ویڈیو لکچرز کے لئے ملاحظہ فرمائیں:

http://www.alrisala.org/cps-tv/
http://worldtv.com/cps-tv/

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر، مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

اللہ اکبر
اتحادِ ملت
احیاءِ اسلام
اسباقِ تاریخ
اسفارِ ہند
اسلام: ایک تعارف
اسلام: ایک عظیم جدوجہد
اسلام اور عصرِ حاضر
اسلام پندرہویں صدی میں
اسلام دورِ جدید کا خالق
اسلام دینِ فطرت
اسلام کا تعارف
اسلام کیا ہے
اسلامی تعلیمات
اسلامی دعوت
اسلامی زندگی
اقوالِ حکمت
الاسلام
الربانیۃ
امنِ عالم
امہات المومنین
انسان اپنے آپ کو پہچان
انسان کی منزل
ایمانی طاقت
آخری سفر
باغِ جنت
پیغمبرِ اسلام
پیغمبرِ انقلاب
تذکیر القرآن
تاریخ دعوتِ حق
تاریخ کا سبق
تبلیغی تحریک
تجدید دین
تذکیۂ نفس
تصویرِ ملت
تعارفِ اسلام
تعبیر کی غلطی
تعدد ازواج
تعمیرِ انسانیت
تعمیرِ حیات
تعمیر کی طرف
تعمیرِ ملت
حدیثِ رسول
حکمتِ اسلام
حقیقتِ حج
حقیقت کی تلاش
حل یہاں ہے
حیاتِ طیبہ
خاتونِ اسلام
خاندانی زندگی
خدا اور انسان
خلیج ڈائری
دعوتِ اسلام
دعوتِ حق
دینِ انسانیت
دینِ کامل
دین کی سیاسی تعبیر
دین کیا ہے
دین و شریعت
دینی تعلیم
ڈائری 84-1983
ڈائری 90-1989
ڈائری 92-1991
ڈائری 94-1993
رازِ حیات
راہِ عمل
راہیں بند نہیں
روشن مستقبل
رہنمائے حیات (کتابچہ)
رہنمائے حیات
زلزلۂ قیامت
سبق آموز واقعات
سچا راستہ
سفرنامہ اسپین و فلسطین
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد اول)
سفرنامہ (غیر ملکی اسفار، جلد دوم)
سوشلزم اور اسلام
سوشلزم ایک غیر اسلامی نظریہ
سیرتِ رسول
شتمِ رسول کا مسئلہ
صراطِ مستقیم
صوم رمضان
طلاق اسلام میں
ظہورِ اسلام
عظمتِ اسلام
عظمتِ صحابہ
عظمتِ قرآن
عظمتِ مومن
عقلیاتِ اسلام
علما اور دورِ جدید
عورت معمارِ انسانیت
فسادات کا مسئلہ
فکرِ اسلامی
کامیاب ازدواجی زندگی
قال اللہ و قال الرسول
قرآن کا مطلوب انسان
قیادت نامہ
قیامت کا الارم
کاروانِ ملت
کتابِ زندگی
کتابِ معرفت
کشمیر میں امن
مارکسزم تاریخ جس کو رد کر چکی ہے
مذہب اور جدید چیلنج
مذہب اور سائنس
مسائلِ اجتہاد
مضامینِ اسلام
مطالعۂ حدیث
مطالعۂ سیرت (کتابچہ)
مطالعۂ سیرت
مطالعۂ قرآن
منزل کی طرف
مولانا مودودی شخصیت اور تحریک
میوات کا سفر
نارِ جہنم
نشری تقریریں
ہندستانِ آزادی کے بعد
ہندستانی مسلمان
ہند-پاک ڈائری
یکساں سول کوڈ